ماہنامہ
پاک جمہوریت
لاہور

وفاقی وزیر برائے اطلاعات ونشریات قمر زمان کائرہ اور ترجمان برائے صدر پاکستان فرحت اللہ بابر ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران (5-5-09)

وفاقی وزیر برائے اطلاعات ونشریات قمر زمان کائرہ صدر پاکستان کے دورۂ امریکہ کے حوالے سے واشنگٹن ڈی سی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے (5-5-09)

وزارتِ اطلاعات ونشریات کا جریدہ

حکومت پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں اور لائبریریوں کے لئے منظور شدہ

ماہنامہ پاک جمہوریت لاہور

نگرانِ اعلیٰ: غلام حضور باجوہ

نگران: نزہت یاسمین

چیف ایڈیٹر: قائم نقوی

ایڈیٹر: غزالہ عنبرین

تزئین: محمد یونس، ارتضیٰ حسین، منیر حسین شاہ

جلد 50 شمارہ نمبر 5 رجسٹرڈ نمبر LRL 82

مئی 2009ء

قیمت عام شمارہ 10 روپے

زرسالانہ 100 روپے

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز

218/14 شاہد کالونی وحدت روڈ لاہور

فون:
مدیر اعلیٰ 7560837
مدیر 7520838
انتظامیہ 7521699

فہرست

حمد	شکیب ہمدانی	۲
نعت	محمد لطیف	۲
محافظ	راؤ محمود علی محمود	۳
قومی افق		
حکومت پاکستان کی امن بحالی کے لئے کاوشیں	غلام رسول	۴
حکومت کی ایک سالہ کارکردگی	سید انوار غالب	۶
عوامی حکومت کا ایک سال	سحر صدیقی	۸
شخصیات		
اسوۂ حسنہ	حافظ شاہد رسول	۱۴
سر سید احمد خاں	محبت حسین	۱۹
طارق بن زیاد	ظہیر عباس	۲۱
سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید ہلال جرأت	بشریٰ بخاری	۲۳
تعلیم و تحقیق		
ہمارا تعلیمی انحطاط اور ہماری تاریخ	محمد رزاق	۲۶
مضامین		
فکرِ اقبال کو عام کرنے کی ضرورت	رشید احمد رشید	۳۰
قومی پرچم کا احترام جان سے بالا ہے	غلام اکبر عابد	۳۳
دین اسلام عالمگیر اخوت کا داعی	رشید احمد	۳۴
ہمارا تہذیبی ورثہ		
بادشاہی مسجد	شیخ نوید اسلم	۳۹
معلومات عامہ		
صفائی کیوں ضروری ہے	فائزہ بتول	۴۱
زراعت		
دھان کے پتوں کا جراثیمی جھلساؤ سے تحفظ	زرعی پیغام	۴۲
تفریحات		
عورت	طلعت نورین سحر	۴۳
قاتل کا پتہ	محمد یونس حسرت	۴۵
اُلسی گھر	مرغوب امیر	۴۶

ادارہ مطبوعات پاکستان نے فریدیہ آرٹ پریس انٹرنیشنل چوک سردار چیل لاہور سے چھپوا کر 218/14 شاہد کالونی وحدت روڈ لاہور سے شائع کیا

شکیب وجدانی

حمد باری تعالیٰ

تیری حمد و ثنا، اکرام تیرا
لب ہر ذی نفس پہ نام تیرا
غریب و بے کس و لاچار تیرا
شہیر و نامور بے نام تیرا
سبھی کی ڈور تیرے ہاتھ میں ہے
نچانا پتلیوں کو کام تیرا
شعور و آگہی تیری عطا ہے
فہم ادراک ہے انعام تیرا
ہر اک شے دست بستہ منتظر ہے
فقط اک کن سے ہے اقدام تیرا
مرا یہ تن بدن میرا نہیں ہے
حرم تیرا ہے یہ احرام تیرا
مرے ساقی یہ تیرا میکدہ ہے
یہاں خالی بھرا ہر جام تیرا
رہے گا بندہ تو تیرا ہی صابر
رہے خواہ برسرِ الزام تیرا

محمد لطیف

نعت

فرمایا یہ نبیؐ نے جو میرے اُمتی ہیں
پیارے ہیں وہ خدا کے وہ سارے جنتی ہیں
ہے آپؐ ہی کے دم سے ہر گھر میں اک اُجالا
جس کا بدل نہ کوئی آپؐ ایسی روشنی ہیں
سب آپؐ ہی کے دَر سے پاتے ہیں خیر و برکت
ابدال جس قدر ہیں جتنے قطب ولی ہیں
شہرہ زمانے بھر میں ہے آپؐ کی عطا کا
صادق امین ہادی اور حاصلِ وَحی ہیں
خالی کبھی نہ لوٹا دَر پہ جو اُن کے پہنچا
ایسا نہیں ہے کوئی جیسے کہ وہ سخی ہیں
قرآن کھولیں سُورۃ احزاب پڑھ کے دیکھیں
جس میں لکھا ہوا ہے آپؐ آخری نبیؐ ہیں
بخشش کا ہے وسیلہ ذات لطیف اُن کی
صد شکر ہے کہ اُن کی اُمّت میں ہم بھی ہیں

راؤ محمود علی محمود

محافظ

مرا خدا تجھے اپنی پناہ میں رکھے
شفائے کاملہ و عاجلہ عطا کر کے
مرے دوپٹوں مری پگڑیوں کے رکھوالے
اسی مقامِ مقدس سے سرفراز کرے

کروڑوں پھیلی ہوئی چیزیاں تری خاطر
ہزاروں ننھے شگوفوں کی تو دعائے ضمیر
تو سجدوں سے نکلتی برات کا دلہا
چھتوں پہ ابر کا سایہ بمیر کا جھونکا

خفیف غنچوں کے اشلوک کا ثمر ہے تو
افق سے پھوٹتا آلوک کا شجر ہے تو
تو جگنوؤں کا جھجھر کا تو تتلیوں کا ورق
اذانِ فجر کی ہر سطر کا اثر ہے تو

عفیف کلیوں کی عفت تھی ترے پیش نظر
نحیف شجروں کو تو نے رکھا سدا محفوظ
چنار، تاڑ، صنوبر، مہاگنی، شمشاد
جزیرے، دریا، ندی، نالے تو نے کر دیئے محفوظ

نشا کی ریت میں اک چشمہ سرسراتا ہوا
لبِ گلاب میں اوسیلی رُت چواتا ہوا
تو گھاٹی، وادی میں جھرنوں کی شکل اترتا ہوا
تو کھاڑیوں میں دم صبح جھم جھماتا ہوا

غیور تو رہا تو لوگ ہو گئے ہیں جسور
ترے کمال سے آزاد تھل، نہال، طیور
قدیر تو ہے مرے جیسے شاعروں کا شعور
تو ماؤں بہنوں کی جڑواں ہتھیلیوں کا اجور

حکومتِ پاکستان کی امن بحالی کیلئے کاوشیں

چوہدری غلام رسول

وزیرِاعظم کے مشیرِ داخلہ جناب رحمان ملک نے ۱۲ فروری ۲۰۰۹ء کو ایک پریس کانفرنس کے دوران اس بات کا اعتراف کیا کہ ممبئی حملوں کی کچھ منصوبہ بندی پاکستان میں ہوئی تھی۔ اس ضمن میں آٹھ مشتبہ لوگوں کے خلاف ایف آئی آر درج کر لی گئی ہے اور چھ لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔

امریکی حکام کی طرف سے پاکستان کی دہشت گردی کو روکنے کیلئے اس کوشش کا خاطر خواہ خیر مقدم کیا گیا ہے۔ امریکی ریاستی ترجمان رابرٹ وڈ نے مسٹر رحمان ملک کے مندرجہ بالا بیان کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پاکستان ممبئی حملوں میں ملوث افراد کے خلاف ایکشن لینے کیلئے سنجیدہ ہے۔

جناب رحمان ملک نے اپنی کانفرنس کے دوران یہ بھی بتایا تھا کہ ۹ افراد کے خلاف ''انسدادِ دہشت گردی ایکٹ'' اور ''سائبر کرائم ایکٹ'' کے تحت مقدمات درج کئے گئے ہیں اور مزید کارروائی عمل میں لائی جائے گی انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ جاوید اقبال نامی شخص جو کہ بارسلونا، اسپین میں رہائش پذیر تھا، نے امریکہ کو انٹرنیٹ ڈومین کیلئے ۲۰۰ ڈالر ادا کئے جو کہ ممبئی حملوں میں رابطے اور منصوبہ بندی کیلئے استعمال کی گئی۔ جاوید اقبال کے حملوں میں ملوث ہونے کی مصدقہ اطلاعات کے بعد اُسے پاکستان بلایا گیا اور بعد ازاں گرفتار کرلیا گیا۔

رابرٹ وڈ نے دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے عمل میں پاکستانی تعاون کی تعریف کی اور اس عمل کو نہایت مثبت پیش رفت قرار دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان اس راستے پہ پوری طرح گامزن ہے کہ وہ جلد از جلد حملوں میں ملوث پاکستانی شہریت کے حاصل لوگوں سے قانونی باز پُرس کرے اور انصاف کے تقاضے پورے کرے۔

امریکی ترجمان نے امید ظاہر کی کہ وہ اِس سلسلے میں مزید معلومات کے حصول کا انتظار کریں گے مگر انہوں نے اِس بات کا اعتراف بھی کیا کہ یہ سب اقدامات پاکستان کیلئے ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں تاہم پاکستان ایک خودمختار ریاست ہے اس لئے اسے کسی بھی دباؤ کے بغیر آزادی سے اپنے فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے۔

جناب رحمان ملک کے بیان کے بارے میں انڈیا نے بھی ۱۲ فروری کو خیر مقدمی جذبات کا اظہار کیا اور اُمید کی کہ پاکستان دہشت گردی کے بنیادی ڈھانچے کو مکمل طور پر ختم کردے گا۔

یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ پاکستان اور انڈیا جو دو نیوکلیئر ممالک ہیں اور ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک تین بڑی جنگیں لڑ چکے ہیں ان دونوں کے درمیان ۲۶ نومبر کے ممبئی حملے کے بعد ٹینشن بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ان حملوں میں تقریباً ۱۸۰ لوگ مارے گئے تھے۔ مگر پاکستان کے مشیرِ داخلہ کے بیان کے بعد یہ ٹینشن کم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس

بیان سے انڈیا کی اہم شخصیات کے رویئے اور لہجے میں واضح فرق نظر آیا ہے وزیر خارجہ پرناب مکھر جی اور وزیر داخلہ پی چدم برم نے اِسے نہایت مثبت قرار دیا۔

یہ تمام عوامل برصغیر پاک و ہند میں امن کی بحالی کیلئے انتہائی خوش آئند ہیں۔ اس سے قبل صورتحال اس قدر خطرناک موڑ پر پہنچ چکی تھی کہ حالات کی غیر یقینی میں جنگ کسی بھی وقت متوقع نظر آتی تھی۔

یقینی طور پر پاکستان کی امن بحالی کیلئے کوششیں انتہائی نیک نیتی پہ مبنی ہیں۔ ان سے نہ صرف تلخیاں کم ہونے میں مدد ملے گی بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان انتہائی سنجیدگی کے ساتھ تمام تفتیش کو اپنے حتمی انجام تک پہنچانے کیلئے کوشاں ہے۔

امریکی حکام کا پاکستانی حکومت کے دہشت گردی میں ملوث ملزمان کی گرفتاریوں پہ اطمینان ظاہر کرنا بھی پاکستان کے حق میں ایک مثبت پیش رفت ہے اور اس طرح سے نہ صرف امریکہ بلکہ تمام اقوامِ عالم کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ ہم دہشت گردی کے خلاف پوری طرح برسرِ عمل ہیں اور اپنے ہمسائیہ ممالک کے ساتھ تعاون کیلئے ہمیشہ تیار رہے گے۔

☆☆☆

فرمانِ قائد

ہندوؤں کا پرانا طریقِ کار

کیا یہ امر اپنی جگہ بالکل واضح نہیں ہے کہ بھارت کی یہ سیاسی ایجنسیاں مسلمانوں کو پاکستان حاصل کرنے سے نہ روک سکیں تو اب یہ پاکستان کا شیرازہ اپنے دوسرے ہتھکنڈوں اور پُر فریب پروپیگنڈے سے بکھیرنے پر تلی ہوئی ہیں اور اس کے لئے انہوں نے وہی پرانا طریقہ اختیار کیا ہے جو مسلمانوں کے دوسرے دشمن اختیار کرتے رہے ہیں یعنی انہوں نے ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو صوبائی عصبیت کے اس زہر سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے دشمن ہماری مملکت میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

(ریڈیو ڈھاکہ سے نشریاتی تقریر 28 مارچ 1948ء)

حکومت کی ایک سالہ کارکردگی

سیّد انوار غالب

صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب آصف علی زرداری اور وزیر اعظم پاکستان سیّد یوسف رضا شاہ گیلانی کی زیر سرکردگی پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کی حکومت کو ٹھیک ایک سال برسراقتدار آئے گزر گیا ہے فروری 2008ء کے مشکل ترین حالات میں عوامی حکومت قائم ہوئی تب مسائل کا انبار منہ پھاڑے کھڑا خود سر پہاڑ بنا ہوا تھا۔ صدر اور وزیر اعظم دونوں نے ہی فوراً حکومت سنبھالتے ہی اپنی ترجیحات کا تعین کیا اور مسلسل احتساب، ذمہ داری اور احتیاط کا نظام کماحقہ سرگرم اور فعال بنانے کیلئے ایک طے شدہ ایجنڈے کے تحت کام شروع کر دیا۔ صدر اور وزیر اعظم نے کمال ہم آہنگی سے اتحاد کا رشتہ حکومت اور مفادِ عامہ میں نبھایا ہے۔ امریکہ اور دیگر دوست اور اتحادی ملکوں سے نئے عہد و پیماں کا سلسلہ سفارتی طور پر چل پڑا۔ اتحادیوں کو اندرونی اور بیرونی ملکوں میں کچھ تردد اور فکرمندی لاحق تھی شکوک و شبہات اور بعض ہلکی پھلکی رنجشیں دامن گیر تھیں۔ مگر صدر اور وزیر اعظم کے غیر ملکی دوروں اور رابطوں نے گرد صاف کر ڈالی۔

ملک کے اندر معیشت سدھارنے اور بہتر بنانے کیلئے مالیاتی اور انتظامی امور کے حوالے سے فیصلے کئے گئے اور مشکل حالات میں قابلِ عمل بجٹ پیش کیا گیا۔

یہ سچ ہے کہ قانون سازی کے شعبے میں خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات کی وجہ سے تیزی کے ساتھ توجہ دینے کا عمل سست رہا۔ لیکن احیائے امید کی ڈور مسلسل بندھی رہی اور حالات اب روبہ ترقی و استحکام ہیں۔

یقیناً نیا دوسرا پارلیمانی جمہوری سال حکومت کیلئے مسرت اطمینان اور ثمر آور بہتری لائے گا۔ آنے والا بجٹ ترقیاتی اور عوامی ریلیف کا بجٹ ہوگا۔

صدر پاکستان اور وزیر اعظم کے مابین مثالی ہم آہنگی مفاہمت، مصالحت اور تعاون کے روابط مزید مستحکم ہونے کی توقع قوی تر ہو چکی ہے۔

صدر پاکستان آصف علی زرداری اور وزیر اعظم سیّد یوسف رضا گیلانی دونوں ہی خالصتاً سیاست دان اور جمہوری سیاسی عمل کی پیداوار ہیں اس لئے آنے والا دور زیادہ بہتری لائے گا۔

صدر اور وزیر اعظم نے پے در پے سفارتی رابطے کر کے اور غیر ملکی دورے کر کے معیشت کو سنبھالا دیا اور قومی خزانے میں اضافے اور فعالیت کیلئے قابلِ قدر اور لائق تحسین خدمات سرانجام دی ہیں ورلڈ بنک، عالمی مالیاتی فنڈ اور دیگر اسلامی اور یورپی ڈونرز کو پاکستان کی اہمیت کا احساس دلانے میں بھی دونوں خاصے کامیاب رہے ہیں۔

امریکہ میں نئی قیادت آنے کے بعد ماضی کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی کے آثار و علامات ہویدا ہوئے ہیں۔ مشترکہ دلچسپی اور دو طرفہ معاملات میں ہم آہنگی خوش اعتباریت اور اعانت کا جذبہ شبہات اور شکوک پر غالب آ گیا ہے۔ نئی امریکی حکومت سے صدر اور وزیر اعظم کے

ہاٹ لائن پر جو کہ صدر سینٹرن بی جانسن کی دور میں قائم ہوئی تھی رابطے قریبی اور مفاہمتی ہیں اور ابھی مزید بہتری کی توقع بھی ہے۔

منطقی اور فطری طور پر حکومت جمہوریت کے فروغ اور استحکام کی سنجیدہ کوششوں میں مسلسل آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔

ملک کے اندر اب کوئی ایسا بحران اور انتشار نہیں ہے جس پر کہ قابو نہ پایا جاسکے۔ نیا سال بجا طور پر قانون سازی اور اصلاحات کا سال ہوگا۔

پاکستان کے لوگ سخت محنتی صابر اور پُر امید ہیں لوگوں کا عزم حکومت کی طاقت ہے عوام، فوج اور پاکستان کا اتحاد کبھی بھی زوال آشنا ہوا ہے نہ ہوگا فوج دشمن عناصر اور قوتیں ٹوٹ پھوٹ اور تحلیل کے عمل کا شکار ہیں یہی وجہ ہے کہ بے سمت طالع آزمائی کے خوگر سیاست دان کوئی چیلنج دینے اور بننے سے عاری ہیں۔

صدر پاکستان اور وزیر اعظم نے شملہ معاہدہ کے تحت پاک بھارت تعلقات میں بہتری کیلئے جو مقدور بھر امکانی کوششیں کیں ان کی بدولت امن و دوستی اور باہمی رواداری کو فروغ و استحکام ملا ہے۔

دونوں ملک پہلے کی نسبت اب کہیں زیادہ ایک دوسرے کے موقف اور نقطۂ نظر کو کما حقہ سمجھنے لگے ہیں۔ وضع داری کشیدگی پر غلبہ پا گئی ہے۔ بجا طور پر صدر پاکستان اور وزیر اعظم دونوں کا تحمل تدبر اور محتاط رویہ اور پُر عزم سفارت کاری کا ماہرانہ انداز کارگر علاج بالشل ثابت ہوا ہے۔

ملک کے اندر اداروں کی باہمی محاذ آرائی کی منفی سوچ اور روایت بھی اب دم توڑ چکی۔ اداروں پر اعتماد بڑھنے کے ساتھ حکومتی کارکردگی بھی عمدہ حد تک شاندار اور کامیاب رہی ہے۔ ہر شعبے میں حکومت نے بلا تفریق اور امتیاز سیاسی آلودگی کا ماحول پاک کیا اور محنتی باصلاحیت اور ذمہ دار لوگوں کو کام پر لگایا ہے۔

صدر پاکستان اور وزیر اعظم دونوں نے انتظامیہ پر اپنی گرفت قابلِ محسوس حد تک کما حقہ مضبوط کر لی ہے۔ محکمہ لوکل گورنمنٹ اور خزانہ، خارجہ اور دفاع کی وزارتوں میں نیا ولولہ اور عزم پیدا ہوگیا ہے۔

یقیناً تبدیلی کا عمل مسلسل اور بتدریج طور پر ہی پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہی حکومتی ترجیحات میں بنیادی اہمیت کا سرفہرست معاملہ ہے۔

ملک کے اندر 5 جولائی 1977ء سے لے کر 2 نومبر 2007ء تک جو کچھ کیا گیا یا رونما ہو چکا ہے اس سارے نظام کو یکبارگی توڑنا اور ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں اگرچہ ہے تو مشکل مگر ناممکن پھر بھی قطعاً نہیں ہے۔

قائداعظم اور اقبال کی فکر کے سہارے نیا جوش ولولہ اور عزم ہر سیاسی مشکل کا تیر بہدف علاج ہے۔ اور حکومتی ایجنڈا اسی نہج پر استوار اور منظم کرنے کی کوششیں فزوں تر ہو رہی ہیں۔

ماضی کے برعکس پہلی مرتبہ وفاق اور صوبوں کی ہم آہنگی یکجہتی اور اخوت بھرے پُر عزم تعاون کا مثبت تعمیری جمہوریت دوست ماحول صدر اور وزیر اعظم کی خوش تدبیری کا نتیجہ اور ماحصل ہے۔

یہ امر مقام شکر و سپاس ہے کہ اب ماضی کی ہر حکومت کی طرح علیحدگی اور سیاسی عدم استحکام کا ہر خطرہ معدوم ہے اور صوبوں کو دیش بنانے کی کوئی بھی تحریک اب نہیں ہے۔ قومیت وحدت قوم میں تحلیل اور ضم ہو کر عزم عالی شان اور قوت استقلال اور اخوتِ عوام بن گئی ہے ناراض لوگ اب بات کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کی جانب تیزی کے ساتھ قائل اور مائل ہو رہے ہیں۔

پٹھان پنجابی سندھی اور بلوچ اعتماد اور اخوت کی لڑی میں ملک کی تعمیر اور ترقی کیلئے پوری طرح متحد ہیں۔ یہ نئی قومیت کا دور ہے۔

موجودہ عوامی جمہوری حکومت پُوری طرح سے اب ایک یونٹی گورنمنٹ ہے جو کہ مزاج کے اعتبار سے قومی بھی ہے مخلوط بھی اور آہنی بھی ہے۔

پاکستان امن دوستی ترقی استحکام اتحاد سلامتی یگانگت اخوت اتحاد اور اٹوٹ یکجہتی کے ساتھ مسلسل آگے بڑھتا اور ترقی کرتا رہے گا یہی احیائے امید کی کنجی ہے۔

پاکستان پائندہ باد جمہوریت زندہ باد

عوامی حکومت کا ایک سال

تحریر: سحر صدیقی

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو جب بھی اقتدار میں آنے کا موقع ملا اس نے اپنے منشور اور عوامی امنگوں کے تحت وطن عزیز کی ترقی اور اہل وطن کی فلاح و بہبود کے لئے شاندار خدمات انجام دیں۔ 70ء کے عشرے کے اوائل میں جب پہلی بار پاکستان پیپلز پارٹی نے قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کی ولولہ انگیز قیادت میں اقتدار سنبھالا تو اس وقت ملک کے حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو چکا تھا، معاشی حالات انتہائی ابتر تھے اور قوم مجموعی طور پر مایوسی اور بے اطمینانی کا شکار تھے لیکن بھٹو صاحب نے ایک نئے پاکستان کا ویژن دیا اور اس پر تیزی سے عمل کیا جس کے نتیجے میں قوم کو ایک نیا جذبہ اور حوصلہ میسر آیا۔ یہ حکومت جولائی 1977ء میں ختم کر دی گئی جس کے بعد آمریت کے سیاہ اور طویل سائے قومی افق پر پھیل گئے۔ پارٹی قیادت اور کارکنوں کی بے مثال قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی دختر مشرق محترمہ بے نظیر بھٹو کی قیادت میں آمریت کو شکست دیتے ہوئے عوام کی حمایت اور تائید سے 1988ء میں برسر اقتدار آئی لیکن یہ حکومت صرف 20 ماہ کے بعد ختم کر دی گئی۔ وہ 1993ء میں دوبارہ اقتدار میں آئیں لیکن اس بار بھی انہیں اپنی آئینی مدت پوری کیے بغیر 1996ء میں اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ اس کے بعد پارٹی نے آمریت کے خلاف ایک نئی جدوجہد کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو اور دیگر سیاسی رہنماؤں کی وطن واپسی کی راہ ہموار ہوئی۔ عوام کو بھرپور یقین تھا کہ ان کی امیدوں اور تمناؤں کا سورج ایک بار پھر محترمہ بے نظیر بھٹو کے روپ میں سیاست کے افق پر طلوع ہوگا اور وہ اپنی جمہوری جدوجہد کو حقیقی معنوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے مشاہدہ کریں گے لیکن قدرت کو شاید ایسا منظور نہ تھا۔ 27 دسمبر 2007ء کو راولپنڈی کے لیاقت باغ کے بالمقابل وہ سانحہ رونما ہوا جس کا کسی نے شاید کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس روز وطن عزیز کی مقبول ترین رہنما اور عوام کی حقیقی ترجمان محترمہ بے نظیر بھٹو کو اس وقت شہید کر دیا گیا جب وہ جلسہ عام سے خطاب کرنے کے بعد واپس جا رہی تھیں۔

محترمہ کی بے وقت اور المناک شہادت نے قومی سیاسی حلقوں میں سوگ اور دکھ کا گہرا اثر چھوڑا اور ایک مرحلے پر تو یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ شاید وطن عزیز میں اب جمہوریت کا مستقبل بے یقینی اور مایوسی کا شکار ہو جائے گا لیکن ایسے میں پارٹی قیادت نے انتہائی دور اندیشی اور حب الوطنی سے کام لیتے ہوئے جمہوری عمل کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ محترمہ کے شریک حیات اور موجودہ صدر مملکت جناب آصف علی زرداری نے ایک طرف تو کارکنوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے غم کو اپنی طاقت بنائیں اور دوسری طرف انہوں نے ''پاکستان کھپے'' کا نعرہ لگا کر وفاق اور استحکام وطن کے عزم کا اظہار کیا۔ یہ ان کی سیاسی دانش اور تدبر کا ثبوت ہے کہ فروری 2008ء میں ہونے والے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر بھاری اکثریت سے کامیاب رہی۔ اس مرحلے پر جناب آصف

علی زرداری نے شہید بی بی کے فلسفہ مفاہمت پر عمل کرتے ہوئے ان سیاسی جماعتوں اور قوتوں کو بھی شریک اقتدار کیا جو جمہوریت پر یقین رکھتی ہیں اور جو غریب عوام کی فلاح و بہبود کو اپنا مشن مانتی ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت میں مخلوط حکومت قائم ہوئی تو وطن عزیز اپنے قیام سے لے کر اب تک مشکل ترین اور نامساعد حالات سے گزر رہا تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد جب ملک کے حالات ابتر ہوئے اور جب دہشت گردوں نے کئی ہزار انسانی جانوں کو لقمہ اجل بنا دیا تو ایسے میں موجودہ حکومت کو قوم کی تعمیر نو کا فریضہ سونپا گیا۔ ان حالات میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کو ملک میں جمہوریت کی بحالی اور قوم کی ترقی اور خوشحالی کی راہ پر چلانا تھا۔ پی پی پی کی حکومت میں ملکی سیاست، معیشت، ملکی سلامتی، سماجی اور بین الاقوامی صورتحال کے حوالے سے مثبت اور بہتر تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے تاہم پی پی پی کی حکومت ان رجعت پسند عناصر سے مسلسل نبرد آزما ہے، جو ملک میں عوام کی جمہوری خواہشات کو کچلنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ریاست کے ڈھانچے کو جمہوریت کی ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا اور ایک عوام دوست نمائندہ اور سیاسی نظام کا قیام موجودہ حکومت کا حقیقی نصب العین ہے کیونکہ اسے عوام کی بھرپور تائید حاصل ہے۔

موجودہ حکومت ایک آمرانہ نظام حکومت کو تاریخی اعتبار سے ایک بے حد پرامن طریقہ سے ملک میں جمہوریت کو بحال کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ حکومت سازی سے لے کر صدر آصف علی زرداری کے انتخاب تک ہر مرحلہ پر موجودہ حکومت نے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ مختلف اداروں کے درمیان سیاسی کشمکش کے بغیر ایک جمہوری اور سیاسی عمل پر کاربند ہوگی۔ پی پی پی کی موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی مصالحت کی پالیسی اختیار کی اور انتقام کی سیاست کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ اس جذبے کے تحت پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنے کے باوجود پی پی پی نے دوسری سیاسی جماعتوں کو حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ صدر مملکت آصف علی زرداری اور وزیراعظم یوسف رضا علی گیلانی بلوچستان جیسے پسماندہ صوبے کو دوبارہ سیاسی اور معاشی لحاظ سے ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ صدر مملکت نے صوبے سے کی گئی ناانصافی کے لیے پاکستانی قوم کی طرف سے بلوچستان کے عوام سے دو ٹوک اور واضح الفاظ میں معذرت کی۔ اس صوبے سے تعلق رکھنے والے قیدیوں کو رہا کیا گیا اور ان کے خلاف مقدمات واپس لیے گئے۔ وزیراعظم نے صوبے میں ترقیاتی سکیموں کے لیے خصوصی گرانٹ مختص کی ہیں جبکہ اس پسماندہ علاقے کے مسائل کے حل کے لئے معاشی ترقی پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ وفاقی حکومت صوبہ سرحد میں اے این پی کی حکومت کو دہشت گردی کے خلاف کوششوں میں اس کی مدد کر رہی ہے۔ وفاقی حکومت، صوبائی خود مختاری کے وعدے پر قائم ہے اور صوبوں کے معاملات میں وفاق کی طرف سے کوئی بے جا مداخلت دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ایک خود مختار پارلیمنٹ ہی جمہوریت کی اصل روح کو قائم رکھ سکتی ہے اور اس ضمن میں پی پی پی کی حکومت نے جمہوری نمائندہ اداروں کے لیے مکمل تعاون کا عملی مظاہرہ بھی کیا ہے۔ مارچ 2008ء سے لے کر اب تک قومی اسمبلی کے 8 اجلاس منعقد ہو چکے ہیں یہ مجموعی طور پر ایک اجلاس ہر مہینہ کی شرح بنتی ہے جو پی پی پی کی پارلیمانی خود مختاری کے نظریئے سے گہری وابستگی کا ثبوت ہے۔ وزیراعظم نے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد 100 دن کا ایک پروگرام پیش کیا تھا تاکہ جمہوری، معاشی اور سماجی اداروں کو مستحکم کیا جاسکے۔ وزیراعظم نے نہ صرف باقاعدگی کے ساتھ پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں شرکت کی بلکہ ایوان میں ذاتی طور پر سوالات اور پوائنٹ آف آرڈر کے جوابات دے کر ایک نئی روایت کا آغاز کیا۔ اس طرح صدر مملکت نے صدارتی انتخابات کے دو ہفتے

بعد ہی پارلیمنٹ سے خطاب کرکے عوام کے نمائندہ اداروں سے وابستہ اپنے جمہوری نظریات کا اعادہ کیا۔

ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ دفاعی بجٹ کی تفصیلات پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی گئی جس پر بعد ازاں تفصیلی بحث بھی کی گئی۔ پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں پہلی دفعہ ایک نئی مثال قائم کرتے ہوئے اور ''چارٹر آف ڈیموکریسی'' پر عمل کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر کو پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ قومی سلامتی کے حساس معاملات پر ''ان کیمرہ'' اجلاس بلانا موجودہ پارلیمنٹ کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ دو ہفتے کے اس طویل اجلاس کے بعد عوامی نمائندوں نے قومی دفاع سے متعلق ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی۔ یوں دہشت گردی جیسے نہایت حساس معاملے پر پہلی دفعہ ایک متفقہ لائحہ عمل ترتیب دیا گیا جس سے دہشت گردوں کو یہ پیغام پہنچا کہ قوم نے متفقہ طور پر دہشت گردی کو رد کر دیا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی جب اقتدار میں آئی تو بین الاقوامی معاشی تبدیلیوں کے باعث پاکستانی معیشت کو سنگین چیلنجوں کا سامنا تھا۔ یہ بحرانی صورتحال حکومت کی کمزور مالیاتی پالیسی کے باعث پیش آئی جس نے آزادانہ نجکاری کے استعمال اور بین الاقوامی کیپیٹل مارکیٹ سے مہنگے قرضوں کے حصول میں بڑے پیمانے پر شرح مبادلہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اس طرح زرعی شعبے کی ناقص کارکردگی کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا جس کے باعث ملک میں گندم کی کمی کے نتیجہ میں آٹے کا بحران پیدا ہوا۔ آٹے کی مصنوعی قیمت برقرار رکھنے کے لیے گزشتہ حکومت عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں کو مقامی صارفین کی طرف منتقل کرنے سے بھی خائف رہی۔ اس پالیسی کے باعث حکومت نے آنکھیں بند کر کے سٹیٹ بینک آف پاکستان سے بھاری قرضہ لیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ گزشتہ حکومت کی جانب سے تیل کی کمپنیوں کو 264 بلین روپے کی ادائیگی کا سبسڈی بل بھی پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔

پی پی پی حکومت نے عالمی اقتصادی بحران سے غریب عوام کو بچانے کے لیے متعدد کوششیں کیں۔ ملک میں آٹے کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے بھاری مقدار میں گندم حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی گندم کی آئندہ فصل کے لیے امدادی قیمت میں اضافے کے ذریعے کسان دوست پالیسیاں اختیار کی گئیں۔ تیل اور گیس کی قیمتوں میں اضافے کا فیصلہ اس امر کو یقینی بناتے ہوئے کیا گیا کہ معاشرے کے غریب طبقے اس سے متاثر نہ ہوں۔ عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے باوجود اس وقت حکومت 360 ملین روپے روزانہ کے حساب سے سبسڈی کا خرچہ برداشت کر رہی ہے۔ پی پی پی حکومت نے آسان شرائط پر آئی ایم ایف سے وقتی طور پر قرضے کے حصول کا اہتمام بھی کیا ہے۔ 7.6 بلین ڈالر کا آئی ایم ایف قرضہ ملکی کوٹے کے 1.56 بلین ڈالر سے 5 گنا زیادہ ہے۔ پی پی پی حکومت نے ملک کے غریب ترین طبقے کے لیے 34 بلین روپے کا ''بےنظیر بھٹو انکم سپورٹ پروگرام'' بھی شروع کیا ہے۔ یہ ایک انتہائی شفاف پروگرام ہے جس کے ذریعے کم آمدنی والوں کو 1000 روپے ماہانہ کیش گرانٹ کے ذریعے براہ راست فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اشیائے تعیشات کی درآمد پر پابندی عائد کر رکھی ہے اور ٹیکس ریونیو ٹارگٹ میں 25 فیصد اضافہ کیا ہے چنانچہ ٹیکس کی وصولی، برآمدات اور محصولات میں بالترتیب 26 فیصد، 44 فیصد اور 25 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ حکومت نے اسٹاک ایکسچینج کو بحران سے بچانے کے لیے اس شعبہ کو 20 ارب روپے کا سرمایہ نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ کے ذریعے فراہم کیا۔ حکومت ایک بہتر فریم ورک کے ذریعے سماجی انصاف کی فراہمی کے وژن پر قائم ہے اور وہ عام آدمی کو اقتصادی طور پر خود مختار بنانے کے لیے اپنی پالیسیاں جاری رکھے گی۔

پیپلز پارٹی کی حکومت نے دسمبر 2009ء تک 4000 میگاواٹ تک بجلی کی لوڈ

شیڈنگ کے خاتمہ کا پروگرام تیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ اضافی بجلی پیدا کرنے کے لیے نئے پروجیکٹ کی منظوری دی گئی جبکہ کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے پر بھی کام ہو رہا ہے۔ بجلی کے ان منصوبوں سے نہ صرف ہماری صنعتوں کو بجلی فراہم ہوگی بلکہ ان منصوبوں میں سرمایہ کاری کے مواقع بھی میسر آئیں گے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے کم از کم تنخواہ 4 ہزار سے بڑھا کر 6 ہزار ماہانہ کی ہے۔ یہ اضافہ عالمی اقتصادی بحران کے تناظر میں بڑا اضافہ ہے۔ سرکاری ملازمین کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے گریڈ 1 تا 15 تک تمام کنٹریکٹ ملازمین کو مستقل کر دیا گیا جبکہ وفاقی کابینہ نے 1996ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے غیر قانونی خاتمہ کے بعد نوکری سے نکالے گئے تمام سرکاری ملازمین کو بحال کرنے اور ان کی سنیارٹی بحال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں صدر مملکت نے آرڈی نینس جاری کر دیا ہے جس پر عنقریب عمل درآمد ہوگا۔

مزدور کے لیے قانون سازی کے ضمن میں ایک جامع اور نیا صنعتی تعلقات بل لانا حکومت کی بہت بڑی کامیابی ہے جس کے ذریعے مزدور کش صنعتی تعلقات آرڈیننس 2002ء کا خاتمہ ہوگا۔ صنعتی تعلقات بل 2008ء مزدور کے وقار میں اضافہ اور آجر اور آجیر کے درمیان باہمی اعتماد کا رشتہ بحال کرنے کا حکومتی عزم ہے۔ بل کے دیگر مقاصد میں ریلوے ملازمین، پاکستان منٹ کے ملازمین کو یونین سازی کا حق، ملازمین کو اولڈ ایج پنشن کی ادائیگی، ٹریڈ یونین یا ان کی اپنی مرضی کی کسی فیڈریشن یا کنفیڈریشن میں شامل ہونے یا نہ ہونے کی آزادی اور مزدور تنازع کے جلد حل کو یقینی بنانے کے لیے مزدور یونینوں اور تنظیموں کے دیرینہ مطالبے پر مزدور عدالتوں کا قیام شامل ہیں۔ پی پی پی کے منشور کے علاوہ صنعتی تعلقات آرڈیننس 2002ء کا خاتمہ مزدور گروپس کا دیرینہ مطالبہ ہے اور صنعتی تعلقات کے بل کے ذریعے پی پی پی حکومت نے اپنے منشور پر عمل کرتے ہوئے مزدور دوستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

حکومت نے کم آمدنی والے ملازمین کے لئے ''وزیراعظم ہاؤسنگ سکیم'' شروع کی ہے۔ 10 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری پر مبنی یہ سکیم پہلے ہی ملک بھر میں سرکاری ملازمین کی رہائشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے جاری ہے۔ بی بی آئی ایس پی کی روشنی میں یہ ایک ایسا پراجیکٹ ہے جو معاشرے کے کم آمدنی والے طبقے کی رہائشی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ کم آمدنی والے گروپ کے لیے مکان کی فراہمی کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے کے علاوہ مذکورہ سکیم پاکستان کے ہاؤسنگ کے شعبہ میں ایک مثبت اضافہ ہوگا۔

پارٹی کے برسراقتدار آنے کے بعد پارلیمنٹ کا پہلا پاس کردہ بل پیمرا ترامیم کے خاتمے سے متعلق تھا۔ بعدازاں پی این این اے بی آر او (PNNABRO) قانون سازی میں ترامیم کے ذریعے اخبارات کو کسی قسم کی دھمکیوں اور دباؤ سے نجات بھی دی گئی۔ وزارت اطلاعات ایسے صحافیوں کے لیے جو اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران کسی مشکل صورتحال کا شکار ہوئے ہوں، مالی امداد کی فراہمی کے لیے ایک ''متاثرین صحافی فنڈ'' بھی قائم کر رہی ہے۔ میڈیا کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی کے ضمن میں حکومت تمام مسائل کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی پالیسی پر کاربند ہے۔ ریڈیو چینلو کے لیے لائسنس کے حصول کے طریقہ کار کو نہایت آسان بنا دیا گیا ہے جبکہ میڈیا کے ایڈیٹوریل میں حکومتی مداخلت کے تمام روایتی حربوں کو ختم کر دیا ہے۔ شہریوں کی سہولت کے لیے فریڈم آف انفارمیشن لیجسلیشن اور حکومتی دستاویزات تک میڈیا کی رسائی اس حکومت کی واضح اور شفاف نظام کے ضمن میں ایک بڑی کامیابی ہے جبکہ اس سے حکومت کی کارکردگی کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے شہریوں کو سہولت بھی میسر ہوگی۔

پی پی پی حکومت نے اقتدار میں آنے کے بعد خواتین کے لیے ایک 5 نکاتی ایکشن ایجنڈے کا اعلان کیا ہے۔ اس ایجنڈے میں تمام حکومتی زمین کی الاٹمنٹ گھر کی خاتون

کے نام کرنا، گھریلو تشدد پر تیز رفتار قانون سازی، ملک بھر میں خواتین کے لیے کرائسز سنٹرز میں 100 فیصد اضافہ، سرکاری اداروں میں خواتین کے لیے ملازمت کوٹہ کے تحت سرکاری ملازمتوں میں خواتین کی نمائندگی میں 15 فیصد اضافہ شامل ہیں۔ حکومت نے قیدی خواتین کی رہائش کے لئے الگ انتظامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ان کی دیکھ بھال خواتین سٹاف ہی کرسکیں۔ خواتین کوارٹرز میں بچوں کی حفاظت کے لیے اضافی گنجائش بھی فراہم کی جائے گی۔ وفاقی کابینہ نے خواتین کو کام کے دوران ہراساں کرنے کے ضمن میں تحفظ کی فراہمی کے لیے قانون سازی کی منظوری بھی دی ہے۔ جس میں پاکستان پینل کوڈ اور کریمنل ایکٹ کوڈ میں کام کے دوران خواتین کو ہراساں کرنے اور ایسے جرائم کے لیے سزا میں ایک سال تا تین سال تک اضافہ کرنے کی ترمیمات شامل ہیں۔

پیپلز پارٹی کی حکومت نے ملکی اقتصادی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اخراجات میں کمی کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے خود وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی نے وزیراعظم ہاؤس کے بجٹ میں 40 فیصد کمی کرنے کا اعلان کیا۔ وزراء کو ہدایت کی گئی کہ وہ 1600CC سے بڑی گاڑی استعمال نہ کریں اور ہوائی جہاز کی اکانومی کلاس میں سفر کریں۔ ایئرپورٹ پر قائم تمام وی آئی پی کاؤنٹر کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ اب وزیراعظم اور صدر مملکت بیرون ملک کے دورے کے لیے عام کمرشل فلائٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وزیراعظم نے تمام سرکاری افسران کے غیر ملکی دوروں پر پابندی عائد کر دی ہے چنانچہ اب وہ صرف نہایت اہم مقاصد کے لیے ہی بیرون ملک دورہ کرتے ہیں۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کو دہشت گردی کے ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے حکومت نے ایک حقیقت پسندانہ اور فعال پالیسی اختیار کی۔ قبائلی علاقوں میں ترقیاتی کام شروع کئے۔ قبائلی سرداروں اور رہنماؤں سے رابطے قائم کر کے ان کے مسائل معلوم کئے گئے اور اس کی روشنی میں ترقیاتی منصوبے تیار کئے گئے۔ دہشت گردوں کے خلاف کسی فوجی کارروائی کے لیے حکومت کی منظوری کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایسے تمام اداروں پر پابندی لگادی گئی جو دہشت گردوں کی تربیت اور مدد میں ملوث پائے گئے تھے۔ ان اقدامات کے علاوہ پارلیمنٹ میں دہشت گردی کی کارروائیوں کے سدباب کے لیے ایک متفقہ قرارداد منظور کرائی گئی جس کے تحت ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو قرارداد پر عمل درآمد کا جائزہ لے گی تاکہ بہتر نتائج حاصل کئے جاسکیں۔ دہشت گردی سے متاثرہ لوگوں کے لیے مالی مدد کے علاوہ ان کی آبادکاری کے پروگرام بھی تیار کئے گئے ہیں۔

حکومت نے اپنی خارجہ پالیسی میں عالمی امن اور تحفظ کے فروغ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ خارجہ پالیسی میں نہ صرف ملک کی سلامتی اور وقار کو مدنظر رکھا گیا ہے بلکہ محترمہ شہید بے نظیر بھٹو کے نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام ممالک سے اقتصادی اور تجارتی روابط بڑھانے پر زور دیا گیا ہے۔ صدر آصف علی زرداری اور وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نہ صرف پڑوسی ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے فروغ کے لئے کام کر رہے ہیں بلکہ وہ سپر پاور کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔ افغانستان اور ایران کے ساتھ بھی تمام ایشوز پر مذاکرات کا عمل جاری ہے تاکہ افہام وتفہیم سے مسائل حل کئے جاسکیں۔ ایران کے ساتھ گیس پائپ لائن کا منصوبہ اب آخری مراحل میں ہے جس سے دونوں ممالک کو خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ افغان حکومت بھی پاکستان کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کرنے کی خواہش مند اور دہشت گردی کے سدباب کے لیے تعاون پر آمادہ ہے۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کی دیگر ریاستوں کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات کو مستحکم کیا گیا ہے۔

امریکہ اور یورپ نے پاکستان میں جمہوریت کے نفاذ کو سراہا ہے اور پاکستان کی

اقتصادی امداد میں اضافہ کی یقین دہانی کرائی ہے۔ امریکی حکومت نے Biden Lugen Legislation کے ذریعہ پاکستانی عوام کے لئے براہ راست اقتصادی اور تجارتی سرگرمیوں کے لیے راستہ کھول دیا ہے جو بلاشبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ''فرینڈز آف ڈیموکریٹ پاکستان'' کے نام سے قائم فورم پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس گروپ سے وابستہ مما لک نے پاکستان کو ہر ممکن امداد کی یقین دہانی کرائی ہے جس کے حوصلہ افزاء اور بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

موجودہ حکومت کی ایک سال کی کارکردگی کے حوالے سے یہ حقائق اس امر کی حوصلہ افزا نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف وطن عزیز کی سلامتی اور خود مختاری کے بارے میں ہمہ وقت مصروف عمل ہے بلکہ وہ عوام کو درپیش مسائل حل کرنے کیلئے جملہ میسر وسائل کو بھرپور انداز میں بروئے کار لارہی ہے۔ حکومت کی دوراندیشی اور حقیقت پسندی کے نتیجے میں اس وقت وطن عزیز میں ایک ایسی جمہوری فضا موجود ہے جس میں سیاسی عمل کسی رکاوٹ اور خوف کے بغیر جاری ہے۔ حکومت کی کوشش ہے کہ عوام کے مسائل کو جلد سے جلد حل کیا جائے لیکن کون نہیں جانتا کہ آمریت کے اثرات کو زائل کرنے اور معاشی استحکام کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کیلئے کچھ وقت تو بہرحال درکار ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

فرمانِ قائد

کاریگروں اور ہنرمندوں کی اشد ضرورت

میں چاہتا ہوں کہ اب آپ کی توجہ، آپ کا ذہن، آپ کے مقاصد، آپ کی تمناؤں کا رخ، دوسرے راستوں، دوسرے میدانوں اور دوسری منزلوں کی طرف ہو جانا چاہئے جو آپ کے لئے کھلی پڑی ہیں اور رفتہ رفتہ کھلتی جائیں گی۔ دستی کام اور محنت کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں ٹیکنیکل تعلیم کی زبردست گنجائش ہے کیونکہ ہمیں کاریگروں اور ہنرمندوں کی اشد ضرورت ہے۔

(24 مارچ 1948ء جلسہ تقسیم اسناد ڈھاکہ)

اسوۂ حسنہ (ایک سرسری نظر)

حافظ شاہد رسول

ایک عالم دین کا فرمان ہے کہ مسلمان کیلئے اپنے حالات کا جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبّہ ان کے معمولات اور ان کے ارشادات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مومن اپنے پیارے نبیؐ کی سیرتِ طیبّہ سے پوری واقفیت حاصل کرے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے "ہم نے آپ کے سامنے انبیاء کے واقعات بیان کئے۔ جس سے قلب کو قوت اور سکون عطا کریں اور ان واقعات کے ضمن میں اہلِ ایمان کیلئے حق اور حقیقت اور موعظت اور نصیحت اور یاددہانی سامنے آ جائے۔" (سورۃ الھود ۱۲۴)

مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کے واقعات جاننے اور سمجھنے سے دلوں کو سکون اور طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ دل ایمان پر ثابت، پختہ اور قائم ہو جاتا ہے۔ آیئے اپنے پیارے رسولؐ کی باتیں کریں۔ رسول اللہؐ جس زمانہ میں دنیا میں تشریف لائے مکہ مکرمہ بُت پرستی کا بڑا مرکز تھا۔ کعبۃ اللہ جسے رسول اللہؐ کے جدّ امجد حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ خود خاندان بنی ہاشم کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ کعبہ کے متولی تھے۔ عربوں میں جاہلیت کا دور دورہ تھا اور وہ جھگڑے فساد میں بہت آگے تھے۔ ان میں قتل کے انتقام کے سلسلے نسل در نسل چلتے تھے۔ شراب اور قمار بازی عام تھی۔ عام معاشرتی حالات اِس طرح تھے کہ

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
(حالی)

ان حالات میں نبی اکرمؐ کا ظہور ہوا۔ نبی اکرمؐ کی ولادت کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء ۹۔ ربیع الاوّل بروز سوموار بتاتے ہیں مگر جمہور علماء اِس پر متفق ہیں کہ ۱۲۔ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی۔ یہ "عام الفیل" کا سال تھا، اس سال کو "عام الفیل" اِس لیے کہا جاتا ہے کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبۃ اللہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا اور خدا نے ان کے داؤ کو غلط کرنے کیلئے ابابیلوں کا لشکر بھیجا جس نے ان ہاتھیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ یہ واقعہ سورۃ الفیل پارہ ۳۰ میں بیان ہوا ہے۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب آپؐ کو اٹھا کر کعبۃ اللہ لے گئے اور آپؐ کیلئے دعا مانگی۔ پیدائش کے ساتویں روز سُنتِ ابراہیمؑ کے مطابق آپؐ کا عقیقہ کیا گیا۔ آپؐ کے دادا نے آپؐ کا نام "محمدؐ" رکھا، عرب میں پہلے یہ نام نہ تھا۔ لیکن اہل زبان ہونے کے باوصف ان لوگوں کو اس کا مفہوم معلوم تھا، یعنی "وہ ذات جس کی زیادہ تعریف کی جائے۔" لہٰذا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے ذہن میں اس نام کا آنا منشائے خداوندی ہے۔

حضورؐ کا شجرۂ نسب والد ماجد کی طرف سے اِس طرح ہے۔

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہد بن مالک بن نظر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن ترار بن معد بن عدنان (بخاری شریف)

والدہ ماجدہ کی جانب سے آپؐ کا

سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

محمدؐ بن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن لوی۔ گویا حضورؐ کا شجرۂ نسب دونوں طرفین سے کلاب بن مرہ سے ملتا ہے۔

سب سے پہلے آنحضرت کی والدہ ماجدہ نے آپؐ کو دودھ پلایا پھر عرب کے شرفاء کے دستور کے مطابق آپؐ کو ایک دایہ حلیمہ سعدیہ کے حوالے کر دیا گیا جنھوں نے دو سال تک آپؐ کو دودھ پلایا۔ دیہات میں صاف ستھرے ماحول اور خالص زبان سکھانے کی غرض سے بچوں کو ایسی دایوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا جو اُجرت لے کر دودھ پلاتی تھیں، قبیلہ بنی سعد میں بچپن کے ایام گزارنے کے باعث آپؐ کی زبان میں فصاحت کا عنصر زیادہ تھا۔ اور آپؐ خود بھی اس قیام کا ذکر فرمایا کرتے تھے جو بنی سعد میں گزرا تھا۔ آپؐ بچپن ہی سے مزاج کے اعتبار سے بہت پاکیزہ خیالات رکھتے تھے۔ آپؐ نے اپنے خاندان کی روایات کے خلاف کبھی بتوں میں دلچسپی نہ لی نہ ہی جاہلیت کی کسی رسم میں شرکت کی۔ مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ''حرا'' نامی پہاڑ پر ایک غار ہے۔ آپؐ مہینوں اس میں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کی حالت میں غور و فکر میں مصروف رہتے۔ کھانے پینے کیلئے جَو، کھجوریں اور ستو ساتھ لے جاتے اور کئی کئی روز کے بعد واپس گھر تشریف لاتے۔ جب آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ کو خداوند قدوس نے نبوت کے منصبِ اعلیٰ پر فائز کیا۔ اسی غار میں خدا کا فرشتہ جبرائیلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پہلی وحی کے الفاظ آپؐ کو پڑھائے۔ یہ سورۃ العلق کی آیات تھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ...... (علق)

حالی کہتے ہیں۔

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اس طرح نبوت و رسالت کی ابتداء ہوئی۔ آپؐ اوائل عمر ہی سے اچھی صفات اور عمدہ کردار کا نمونہ تھے۔ آپؐ کی عمر مبارک صرف پندرہ سال تھی کہ حرب فجار کا معرکہ پیش آیا۔ عربوں میں چونکہ اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ فجار کا معرکہ قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوا۔ لہٰذا قریش کے تمام خاندانوں نے اس میں حصہ لیا۔ بنی ہاشم کی طرف سے آپؐ بھی معرکہ میں شریک تھے لیکن صلح و آشتی کے پیکر رسالت مآبؐ نے اس معرکہ میں بھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا، نہ کسی کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے تیر مارا۔ بعد میں صلح کی صورت پیدا ہوئی تو آپؐ اس میں سرگرمی سے شریک ہوئے اور اپنے نبوت کے دور میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر اس معاہدے کے مقابلے میں مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا۔

آپؐ نے خاندانِ قریش کے قدیم پیشہ تجارت کو بھی اختیار کیا اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ ایک تاجر کے محاسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور دیانتداری ہے چونکہ آپؐ میں یہ صفات عالیہ بدرجہ اتم موجود تھیں اس لئے آپؐ صادق اور امین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت خدیجہؓ (جو مکہ کی ایک مالدار خاتون تھیں) نے اپنے مالِ تجارت کو آپؐ کے ہاتھ شام کے ملک روانہ کیا اور اپنا ایک غلام میسرہ آپؐ کے ہمراہ روانہ کیا۔ میسرہ نے واپس آ کر آپؐ کی دیانت اور حسنِ اخلاق کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ جو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کی اجازت سے قبول فرمایا۔ عقد کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور آنحضورؐ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔

حضور سرور کائنات کی عمر کا پینتیسواں سال تھا جب قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا منصوبہ بنایا۔ تمام قریش نے مل کر تعمیر میں حصہ لیا۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصوں کی تقسیم کر لی۔ لیکن جب ''حجرِ اسود'' کو نصب کرنے کا موقع آیا تو تمام قبائل میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے

نصیب ہو۔ خاندان قریش کے سب سے عمر رسیدہ شخص نے تجویز دی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص کعبہ میں داخل ہو، اسے منصف مقرر کیا جائے اور اس کے فیصلے پر سب کو عمل کرنے کا پابند بنایا جائے، اس پر سب متفق ہو گئے لیکن رات بھر یہ خدشہ رہا کہ صبح کو جو آدمی پہلے کعبہ میں داخل ہو اس کے فیصلے پر پھر اختلاف پیدا ہو گیا تو لڑائی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ صبح جب لوگ پہنچے تو حضرت محمدؐ کو وہاں پایا۔

آپؐ کی پُر وقار اور لائق تعظیم شخصیت پر کسی شخص کو اعتراض نہ تھا۔ چنانچہ حجرِ اسود کو نصب کرنے کا مبارک کام آپؐ کے سپرد ہوا۔ آپؐ نے اس کام کو پورے تدبر اور حکمت عملی سے نبھایا۔ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی، حجرِ اسود کو اس میں رکھا اور سب قبائل کو اپنا ایک ایک نمائندہ مقرر کرنے کو کہا۔ پھر ان سرداروں کو چادر کے کونے پکڑ کر حجرِ اسود اٹھانے کو کہا، جب یہ بابرکت پتھر اپنے مقام پر پہنچا تو آپؐ نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھا کر نصب کر دیا۔ اس طرح ایک بہت بڑے جھگڑے کا خطرہ ٹل گیا اور سب لوگ آپؐ کے دانشمندانہ اقدام پر حیرت زدہ بھی ہوئے۔ جب آپؐ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ:

ترجمہ: ''اے رسولؐ تمہارے رب نے جو حکم تم پر اتارا ہے وہ (لوگوں تک) پہنچاؤ'' (المائدہ ۶۷)۔

تو آپؐ نے آغازِ بعثت سے ہی اس حکمِ خداوندی کی بجا آوری شروع کر دی۔ آپؐ نے حکمتِ خداوندی کے مطابق یک لخت دعوتِ دین شروع نہ فرمائی بلکہ ابتدائی تین سال کے عرصہ تک خفیہ تبلیغ جاری رکھی۔ خفیہ تبلیغ کے دوران اُن لوگوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا جن کے سینوں میں دلیل و برہان اور افہام و تفہیم سے صداقتوں کو قبول کرنے والے نیک قلوب موجود تھے۔ اس دَور میں مسلمان چُھپ چُھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ تقریباً اڑھائی سال کا عرصہ گزرنے کے بعد آپؐ نے حضرت ارقم کے گھر کو عبادت و تبلیغ کا مرکز بنا لیا۔ مسلمان وہیں جمع ہوتے اور اجتماعی طور پر عبادت کرتے اور جو لوگ وہاں آتے وہ مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ گویا حضرت ارقم کے گھر کو تبلیغ و اشاعت کا پہلا مرکز ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ خفیہ دعوت و اشاعت کے اس تین سالہ دور میں قریش کے بڑے بڑے سرکردہ افراد، ان کے لواحقین اور ان کے غلاموں نے اسلام قبول کر لیا۔ گویا جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا وہ غلطی پر ہیں۔ اس عرصہ میں جو لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ان کی وجہ سے اسلام کا پودا خاصا تناور ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حکمِ خداوندی سے اعلانیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپؐ نے سب سے پہلے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے؟ سب نے کہا: ''ہاں کیونکہ آپؐ کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔'' تب آپؐ نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب ہو گا یہ غیر متوقع بات سُن کر آپؐ کے چچا ابولہب سمیت سب لوگ برہم ہو گئے اور آپؐ کے پیچھے اوباش لڑکوں کو لگا دیا جنہوں نے پتھروں سے آپؐ کو زخمی کر دیا۔

بایں ہمہ اب اسلام کی تبلیغ کا کھلم کھلا کام ہونے لگا۔ آپؐ نے حکمِ خداوندی سے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔

اللہ کے رسولؐ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ادھر قریش مکہ کے مظالم کی انتہا تھی۔ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ اہلِ مکہ کے ظلم و ستم کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ حبشہ کے حکمران نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور انہیں اپنے ہاں پناہ دی۔ نبوت کے تیرھویں سال اللہ پاک کی طرف سے مدینہ کی طرف ہجرت کا اشارہ پا کر آپؐ نے مدینہ کا قصد کیا۔ اہلِ مدینہ کو آپؐ کی ہجرت کا علم ہو چکا تھا لہٰذا وہ سراپا انتظار تھے۔ مدینہ کے

مسلمانوں نے آپؐ کا شایانِ شان استقبال کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپؐ نے سب سے پہلے مسجد قبا کی تعمیر کرائی ہجرت کے بعد آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات کا جو رشتہ قائم فرمایا وہ تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

مدینہ میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے دروازے کھل گئے اور اسلام کی اشاعت بہت تیز رفتاری سے شروع ہو گئی۔ یہاں مسلمانوں کو ایسا ماحول میسر آیا جہاں وہ امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو گئے اس کا نتیجہ نکلا کہ دس سال کے مختصر عرصہ میں اسلام کی روشنی ایران اور روم تک پہنچ گئی آپؐ کو اس عرصہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر بارہا کفار کے خلاف جہاد کی مہمیں لڑنی پڑیں جن میں سے غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، غزوۂ خیبر اور غزوۂ حنین زیادہ مشہور ہیں۔ ان غزوات کی کل تعداد ۲۶ ہے جن میں حضورؐ نے خود شرکت فرمائی۔ آپؐ سب سے زیادہ، شجاع، بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے۔ غزوات میں ایسا موقع بھی آیا کہ آپؐ تنہا رہ گئے پھر بھی آپؐ نے حوصلہ مندی اور استقلال کا مظاہرہ فرمایا جب کبھی آپؐ سے سوال کیا جاتا آپ فوراً عطا فرماتے اور کبھی کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ آپؐ سب سے زیادہ حلیم اور بُردبار تھے۔ آپؐ حیا کا پیکر تھے اور آپؐ کی نگاہ کسی چیز پر نہ ٹھہرتی تھی۔ آپؐ کثرت سے اللہ پاک کا ذکر فرماتے اور پوری پوری رات کھڑے ہو کر عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول دنیا میں آتا ہے تو اس کے ساتھ صدق و دیانت اور حسنِ اخلاق نیز جملہ کمالات بشریہ کی نشانیوں کے ساتھ ایک خداداد قوت بھی ہوتی ہے جس کے ذریعے مخالفین کو زیر کرنے میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ان فوق العادت اختیارات کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ہمارے پیارے رسولؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ساری طاقتیں عاجز ہیں۔ کوئی کتنا با کمال ہو اس کی آیتوں میں سے کسی آیت جیسی ایک آیت بھی نہیں بنا سکتا۔ آپؐ کے معجزات میں ایک معروف معجزہ چاند کے دو ٹکڑے کر دینا ہے۔ معراج کا معجزہ بھی آپؐ کا اعلیٰ و ارفع معجزہ ہے اس طرح کے معجزے انبیائے ماقبل میں کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ مؤرخین نے آپؐ کے مشہور معجزات کی تعداد پچاس سے زائد بتائی ہے۔

فتح مکہ اسلامی تاریخ اور سیرۃ النبویؐ کا اہم ترین موضوع ہے۔ آپؐ کے ہمراہ دس ہزار جانثاروں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تو سطوتِ اسلامی کا عظیم مظہر تھا یہ وہی شہر تھا جہاں سے مسلمانوں کو بے بس کر کے نکالا گیا اور ان کی جائیدادیں اور اسباب یہیں رہ گئے تھے۔ مکہ سے کچھ فاصلے پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ ایک جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ اسلامی فوج نے منتشر ہو کر قیام کیا اور جگہ جگہ آگ روشن کر دی۔ رات کے اندھیرے میں جب قریشِ مکہ نے دور دور تک آگ کے الاؤ دیکھے وہ سراسیمہ ہو گئے۔ ابوسفیان کو جو اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھا جاسوسی کیلئے بھیجا گیا لیکن وہ نورِ ہدایت سے منور ہو گیا اور حضورؐ کے قدموں میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔ اس طرح اسلامی لشکر جنگ کے بغیر فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوا۔ سرورِ کائناتؐ کے سامنے اب وہ لوگ مغلوب ہو چکے تھے جنھوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو تکلیفیں دی تھیں۔ لیکن آپؐ نے سب کو کھلے عام معافی کا اعلان فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ آپؐ رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ آج وقت تھا کہ آپؐ ایک ایک سے بدلہ چکاتے لیکن آپؐ نے لاتثریب کا اعلان فرما کر تاریخ انسانی میں ایسی مثال قائم کی جسے دُشمن تاریخ نگاروں نے بھی سراہا ہے۔

آپؐ کے اس عام معافی کے اعلان سے قریش حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور گرد و نواح سے دیگر قبائل بھی سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جانثاروں میں شامل ہونے لگے۔ اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کر دیا گیا اور اب وہاں خالقِ حقیقی کی عبادت ہونے لگی۔

ماہِ صفر ۱۱ ہجری کے آخری ایام میں آپؐ رات کو قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے

گئے اور قبر والوں کیلئے دعائے مغفرت فرمائی۔ واپسی پر آپؐ کے سر مبارک میں درد تھا۔ پھر بخار آ گیا جو صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک رہا اور اسی حالت میں آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپؐ کی رحلت ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ رحلت سے قبل ایک روز آپؐ کی طبیعت بہتر ہوئی تو حجرے سے باہر آئے اور یہ دیکھ کر بہت مسرور ہوئے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان دنوں مسجد نبویؐ میں امامت کے فرائض حضرت ابوبکر صدیقؓ سر انجام دیتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات کے قریب آنحضرتؐ چھت کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے کہ "یا اللہ میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں" بعض روایات میں ہے کہ "حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات میں زبان رسالت مآبؐ پر "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کے الفاظ تھے۔ یعنی نماز کا اہتمام کرو۔

آپؐ کی رحلت کی خبر سُن کر صحابہ کرامؓ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ "جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے آج بھی زندہ ہے۔" یہ سن کر صحابہؓ کے دلوں کو سکون آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے خلافت کا مسئلہ حل کیا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ باہمی مشاورت سے خلیفہ مقرر ہوئے اِس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضورؐ کو غسل دیا کفن پہنایا اور آپؐ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

حدیث شریف کے مطابق آپؐ کی لحد مبارک حضرت عائشہؓ کے حجرے میں اسی جگہ کھودی گئی جہاں آپؐ کی رحلت ہوئی تھی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے قبر مبارک کھودنے کی سعادت پائی اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو حضورؐ کے جسد مبارک کو لحد مبارک میں اتارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی حجرۂ مبارک میں بعد میں خلیفہ اوّل یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کو تدفین کی سعادت نصیب ہوئی۔

فرمانِ قائد

ایک مثال قائم کریں

میرے نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں۔ آپ اپنی باری آنے پر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ آپ اس طرح رہیں کہ کوئی آپ کو گمراہ نہ کر سکے۔ اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور استحکام پیدا کریں اور ایک مثال قائم کریں کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ (جلسہ عام ڈھاکہ سے خطاب 21 مارچ 1948ء)

سرسیّد احمد خاں

محبت حسین

1857ء کی جنگ آزادی مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا اہم موڑ ہے۔ آزادی کی اس جنگ میں اگرچہ ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے لیکن اپنی سازشوں سے انہوں نے برسر اقتدار انگریزوں سے ساز باز کر کے انہیں یہی باور کرایا کہ یہ سب مسلمانوں کا کیا دھرا ہے۔ یوں بھی کفر تو کفر کا ساتھی ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو نشانہ ستم بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔ ایسی صورت میں جب مسلمانوں کی سیاسی کشتی بھنور میں ہچکولے کھا رہی تھی اور برطانوی حکومت اور مقامی ہندوؤں کی جانب سے متواتر اس کو ایسے تھپیڑوں کا سامنا تھا کہ اب اسے ڈوبنے میں کوئی زیادہ وقت نہ لگتا۔ ایسے میں سرسید احمد خاں اس قوم کی ڈوبتی ناؤ کے لئے مسیحا بن کر میدان عمل میں آئے۔ مسلمان ایک شکست خوردہ قوم کی طرح پسماندگی، ذہنی انتشار دو طرفہ نفرت اور احساس کمتری کا شکار تھے۔ دور دور تک انہیں ساحل مراد دکھائی نہ دیتا تھا۔ مسلمان اکثریت کے علاقوں کو دانستہ طور پر تعلیمی اور ترقیاتی لحاظ سے سہولیات سے محروم رکھا گیا تھا۔ نتیجتاً ملازمتوں میں بھی ان کے لئے اکثر دروازے بند رہتے۔ مسلمان علماء نے انگریزی زبان سے نفرت کی ایک ایسی فضا پیدا کر رکھی تھی جو ان کے لئے مزید نقصان دہ ثابت ہو رہی تھی۔ انگریزوں کی اقتدار پر گرفت زیادہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ بدیں وجہ سیاسی اور سماجی لحاظ سے مسلمانوں کا مستقبل مزید تاریکی میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ تہذیب، انتشار اور احساس محرومی کے ان حالات میں سرسید نے روشن دماغی، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا اور مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کی ناخدائی کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جدید علوم سے اکتساب کیے بغیر مسلمانوں کے لئے ترقی و خوشحالی کے دروازے کھل سکتے ہیں اور نہ وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ انہوں نے انگلستان جا کر وہاں کے نظام تعلیم، معاشرتی صورت حال اور برسر اقتدار پارٹی کا دیگر پہلوؤں سے تجزیہ اور مشاہدہ کیا اور واپس آ کر پورے عزم اور مستقل مزاجی سے اسلامیانِ ہند کی رہنمائی کا کام شروع کیا۔

ان کی بصیرت نے یہ باور کر لیا تھا کہ ہندوستان کی ہندو اکثریت اور دیگر غیر مسلم اقلیتیں انگریزوں سے مفاہمت کر کے ان سے ہر قسم کے فوائد حاصل کر رہی ہیں اور مسلمان صرف نفرت کا شکار ہیں۔ سادہ لوح مسلمانوں کو جدید علوم میں عیسائیت کی بو آتی ہے اور اس وجہ سے وہ ان علوم کے قریب نہیں پھٹکتے اور محض عربی و فارسی سے اپنے اذہان وقلوب کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ وہ جان گئے کہ مسلمانوں کے دینی مدارس میں جو روایتی تعلیم دی جا رہی ہے اگر اسے سائنسی علوم اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کیا جائے گا تو مسلمان اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور سیاسی حکمت عملی سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔ بہت سے مسلمان جن میں پڑھے لکھے زعماء بھی شامل تھے انگریزوں کی ایجادات، رسم و رواج یہاں تک کہ لباس اور زبان تک سے نفرت کرتے تھے، حالانکہ نفرت کا اصل مرکز ان کا مذہب اور ان کا اقتدار ہونا

چاہئے تھا۔

سرسید نے رسالہ "اسباب بغاوتِ ہند" لکھ کر انگریزوں کو باور کرایا کہ انقلابی جدوجہد کے ذمہ دار صرف مسلمان نہیں بلکہ برصغیر میں موجود انگریزوں کو بھی حالات اور ماحول کو سمجھنے اور صورت حال کا ادراک کرنے میں غلط فہمی ہوئی۔اسی کے ساتھ انہوں نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کی ترغیب، انگریزی زبان کی ضرورت واہمیت اور جدید سائنسی علوم کے حصول کی رغبت پیدا کرنے کے لئے رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھے۔اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالت میں انقلابی تبدیلیاں آئیں۔

علی گڑھ میں اینگلو اورنٹیل کالج کا قیام دراصل ان کے اسی تعلیمی اصلاحی اور ترقیاتی منصوبے کا ایک حصہ تھا جو آگے چل کر مسلمانانِ برصغیر کی علمی اور سیاسی تحریک کا بہت بڑا مرکز ثابت ہوا۔علی گڑھ کالج کو بعد میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا اور آج بھی پورے برصغیر میں اس یونیورسٹی کے معیار کو تمام یونیورسٹیوں پر تقدم حاصل ہے۔علی گڑھ کی علمی درسگاہ ایک اقامتی ادارہ تھا جس میں دور دراز کے علاقوں سے طلباء آ کر داخل ہوتے اور اس ادارہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اس کا ہر طالب علم خود ایک تحریک بن کر ابھرا اور بعد میں آزادیٔ ہند کا ایک درخشاں ستاہ ثابت ہوا۔اس تعلیمی ادارے نے عصری میلانات، جدید تقاضوں، مشرقی اقدار کے احیاء، برصغیر میں مسلمانوں کی ثقافت اور مستقبل کے لائحہ عمل کے لئے امنگوں اور آرزوؤں کی آئینہ داری کی۔مسلمان نوجوانوں میں سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے زندہ رہنے کا ولولہ پیدا کیا اور انہیں حریت اور خودداری کا ایسا سبق دیا جس نے انہیں امر کر دیا۔علی گڑھ یونیورسٹی ایک طرف مسلمانوں کی کاوشوں کا ثمرہ تھی تو دوسری طرف ان کی آزادی اور خودمختاری کی ضمانت تھی۔اس یونیورسٹی نے مسلمانوں میں ایسے تشخص کو اُبھارا جو بعدازاں ان کے لئے حصول پاکستان کا سبب بنا۔اس لحاظ سے سرسید کی تحریک کو آزادی کی کاوشوں کا پہلا زینہ کہاجا سکتا ہے۔یہی نہیں سب سے پہلے مسلمانان ہند کے لئے علیحدہ قوم کا تصور بھی سرسید ہی کی زبان سے ادا ہوا اور سب سے پہلے سرسید ہی نے مسلمانوں کے حقوق وتحفظ کے لئے جداگانہ انتخاب کا نعرہ بلند کیا۔اس طرح اسی پلیٹ فارم سے علیحدہ قومیت کی بنیاد رکھی گئی جو بعدازاں دو قومی نظریے کی شکل میں سامنے آئی۔

سرسید احمد خاں کا قوم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس خطرے کو قبل از وقت بھانپ لیا جو کہ بحیثیت قوم مسلمانوں کو درپیش تھا۔انہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص پر زور دیا۔جدید علوم اور تہذیب وتمدن کی ترقی اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کر کے انہوں نے مسلمانوں میں بیداری کا ایسا جوہرا جاگر کیا کہ ان کی علمی صلاحیتیں حرکت میں آ گئیں۔نشاۃِ ثانیہ کی ایسی علمی صورت سامنے آئی کہ خود انگریز بھی اس بات پر حیرت زدہ تھے کہ مسلمانوں میں کیسی روحانی قوتیں بیدار ہو گئی ہیں۔علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ آباد ۱۹۳۰ء اور لاہور میں منظور ہونے والی قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ء دراصل سرسید ہی کی اس آواز کی بازگشت ہے جو انہوں نے علی گڑھ کالج سے اٹھائی تھی۔بعدازاں آزادی کے سفر میں بہت سے ایسے رہنما میر کارواں کے طور پر ابھرے جو علی گڑھ کالج کے ابتدائی ایام کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔تصورِ پاکستان کے خالق علامہ اقبال اور مسلم لیگ کے بانی سر آغا خاں جیسی عظیم شخصیات نے سرسید کی کاوشوں کو بار ہا سراہا۔علامہ اقبال سرسید کے اس خیال سے کلی طور پر متفق تھے کہ دینی اور دنیاوی تعلیم میں حسن توازن ضروری ہے۔علامہ اقبال کی نظم "سید کی لوح تربت" اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علامہ مرحوم کے دل میں سرسید کی عظمت بدرجۂ اتم موجود تھی۔اس لیے کہ:

جہاں بانی سے ہے دشوارتر کارِ جہاں بینی
جگر خون ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

☆☆☆☆

طارق بن زیادؒ

ظہیر عباس

طارق بن زیاد بن عبداللہ ہسپانیہ کا پہلا فاتح اور اس کا پہلا والی تھا۔طارق بن زیاد نے ایک مختصر فوج کے ساتھ یورپ کے عظیم ملک سپین کو فتح کیا اور یہاں دین اسلام کا علم بلند کیا تھا۔سپین کی فتح اور یہاں پر اسلامی حکومت کا قیام ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس نے یورپ کو سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی پسماندگی سے نکال کر ایک نئی بصیرت اور ایک نیا انداز فکر عطا کیا اور اس کی تاریخ پر ناقابل فراموش نقوش ثبت کیے۔طارق بن زیاد ایک متقی، فرض شناس اور بلند ہمت انسان تھا۔اس کے حسنِ اخلاق اور قوتِ تدبیر کے باعث عوام اور فوجی سپاہ اسے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔طارق بن زیاد کے حسب نسب کے بارے میں معلومات قدرے اختلافی ہیں۔لادیریسی کے نزدیک وہ ''زناتہ'' کا بربر تھا جبکہ عظیم مورخ ابن خلدون نے اسے طارق بن زیاد اللیثی لکھا ہے، بعض مورخین نے اسے ایرانی النسل اور ہمدان کا باشندہ بتایا ہے۔ابن عذاری نے اس کا مکمل شجرہ لکھا ہے اور اس کا تعلق بنی نفزہ سے بتایا ہے۔بہر حال یہ غیر اختلافی امر ہے کہ وہ موسیٰ بن نصیر کا آزاد کردہ غلام اور اس کا نائب تھا۔طارق بن زیاد کی تعلیم و تربیت موسیٰ بن نصیر کی زیر نگرانی ہوئی جو خود ایک ماہرِ حرب اور عظیم سپہ سالار تھا۔طارق نے بہت جلد فنِ سپہ گری میں شہرت حاصل کی اور اس کی جرأت و بہادری اور عسکری چالوں میں مہارت کے چرچے ہونے لگے۔وہ جنگی منصوبہ بندی میں بہت ماہر تھا وہ غیر معمولی ذہین، دُور بین اور مستعد قائد تھا۔سپین پر حملہ آور ہونے سے قبل طارق کی انتظامی صلاحیت کے باعث اسے طنجہ کا والی مقرر کیا گیا تھا۔افریقہ کی اسلامی سلطنت کو اندلس کی بحری طاقت سے خطرہ تھا نیز دوسرے چند محرکات کی بنا پر موسیٰ بن نصیر نے دشمن کی طاقت اور دفاعی استحکامات کا جائزہ لے کر طارق بن زیاد کی کمان میں سات ہزار مسلمانوں کی فوج ہسپانیہ کی فتح کے لئے روانہ کی، بعد میں اسے پانچ ہزار کے لشکر کی کمک بھی پہنچ گئی۔طارق کی فوج میں بربروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔اس معرکے میں طارق بن زیاد نے کاؤنٹ جولین کے بحری جہاز بھی استعمال کئے جو اس نے ایک معاہدے کے تحت بھیجے تھے۔اسلامی لشکر ہسپانیہ کے ساحل پر اُترا اور پہاڑ کے نزدیک اپنے قدم جمالیے۔یہ پہاڑ بعد میں ''جبل الطارق'' کہلایا جو یورپی زبان میں بگڑ کر ''جبرالٹر'' بن گیا۔پھر اس نے قلعہ قرطاجنہ پر قبضہ کرلیا۔طارق نے جنگ کے لئے ایسی جگہ منتخب کی جو اسلامی لشکر کے لئے فوجی لحاظ سے محفوظ ترین تھی اور اس کے نزدیک پانی اور رسد کی سہولتیں موجود تھیں۔یہ جگہ وادیٔ رباط یا وادیٔ بکر کے قریب تھی۔اس موقع پر طارق نے اپنی فوج کو ایک نہایت ولولہ انگیز خطبہ دیا اور کہا کہ تمہارے سامنے دشمن اور تمہارے پیچھے سمندر ہے۔جنگ سے قبل اس نے جہازوں کو جلادینے کا حکم دیا تھا تاکہ دشمن کی کثیر تعداد کے باعث لشکریوں میں اگر بزدلی کے باعث پسپائی کا خیال پیدا ہوا تو واپسی کا راستہ مسدود ہو۔اس صورت میں صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ یا تو دشمن کو شکست دے دی جائے یا لڑتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کردی جائے۔یہ ایک

ایسی زبردست جنگی حکمت عملی تھی جس نے اپنی اہمیت کی داد آنے والے عظیم سپہ سالاروں سے بھی پائی۔ اسلامی لٹریچر میں طارق بن زیاد کے اس خطبے کو بھرپور اور محترم مقام حاصل ہے، تاہم آٹھ دس دن کا رَن پڑا، آخر کار دشمن کی فوج کو شکست ہوئی اور شہنشاہ راڈرک بھاگ نکلا۔ جس کے انجام کا پتہ نہ چل سکا۔ اس اعتبار سے یہ جنگ فیصلہ کن تھی کہ اس کے بعد ہسپانوی فوج کبھی متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آ سکی۔ موسیٰ بن نصیر نے حکومت اپنے بیٹے عبداللہ کے حوالے کی اور خود اٹھارہ ہزار کی فوج لے کر ہسپانوی جزیرہ ''حضراء'' میں اترا۔ جس پہاڑی کے قریب وہ اترا اسے جبل موسیٰ کہتے ہیں۔ اس کی فوج میں زیادہ تر عرب اور شامی سپاہی تھے، موسیٰ بن نصیر نے طارق کے مفتوحہ علاقے کا رخ کیا اور شندونہ، قرمونہ، اشبیلہ اور ماردہ فتح کیے۔ موسیٰ اور طارق کی ملاقات طلیطلہ میں ہوئی، دونوں سپہ سالاروں نے مفتوحہ علاقوں کی صورت حال اور انتظامی امور کا جائزہ لیا۔ داخلی حکمت عملی کا خاکہ اور مزید فتوحات کی منصوبہ بندی کی۔ علاوہ ازیں عربی اور فارسی کی تدریس کا سلسلہ شروع کرایا، نئے سکے مضروب کرائے جن پر عربی اور لاطینی زبانوں کی تحریر لکھی گئی۔ اُدھر نئی مہمات کا آغاز کیا اور شمال مشرقی اندلس کے علاوہ جنوبی فرانس پر پیش قدمی کر کے اہم شہروں اربوز، لودون اور اودینوں پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ اور طارق کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لایا کہ موسیٰ اور طارق جلد از جلد دارالحکومت دمشق پہنچ جائیں۔ دمشق واپس پہنچ کر موسیٰ اور طارق ایسے عظیم سپہ سالاروں کی عسکری زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر طارق اور موسیٰ دوبارہ دمشق کی غیر دانشمندانہ مداخلت سے آزاد رہتے تو نہ صرف اندلس کی تاریخ مختلف ہوتی بلکہ آج یورپ اسلامی دنیا کا حصہ ہوتا۔ ''بانگِ درا'' میں ''بلادِ اسلامیہ'' کے زیر عنوان علامہ اقبال ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمع طور
بجھ کے بزم ملت بیضا پریشاں کر گئی
اور دیا تہذیب حاضر کا فروزاں کر گئی
قبر اس تہذیب کی یہ سرزمین پاک ہے
جس سے تاکِ گلشن یورپ کی رگ نمناک ہے

☆☆☆☆

فرمانِ قائد

عورتوں کا سب سے بڑا کام

عورتوں کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی نئی نسل کی تربیت کریں تاکہ وہ ملت کے بہادر اور بے خوف خادم بن جائیں۔

(13 فروری 1947ء مسلم لیگ کے شعبہ خواتین سے خطاب)

سکواڈرن لیڈر سرفراز رفیقی شہید (ہلال جرأت)

بشریٰ بخاری

ستمبر 1965ء کی جنگ شروع ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ 22 الالکو ہاؤس وکٹوریہ روڈ کراچی میں بذریعہ ٹیلی گرام ایک اندوہناک پیغام وصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ "افسوس کے ساتھ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کا بیٹا دشمن کے خلاف مشن سے لوٹ کر واپس نہیں آسکا۔"

خاندان کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس پیغام سے کیا معنی اخذ کرے؟ لیکن جوں جوں ہلواڑہ کے تاریخی فضائی معرکے کی تفصیلات پہنچتی گئیں ان کا احساس غم آہستہ آہستہ احساس افتخار میں بدلتا گیا۔ ان کا لخت جگر جوانمردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔ وہ آخری لمحے تک بہادری اور استقامت سے لڑا۔ رفیقی خاندان کے ایک اور بیٹے نے وطن کی خاطر اس اعزاز اور افتخار کے ساتھ اپنی جان قربان کی جو صرف بہادر ترین سپوتوں کے نصیب میں آتا ہے۔

سرفراز رفیقی 18 جولائی 1935ء کو راجشاہی (سابقہ مشرقی پاکستان) میں پیدا ہوئے ان کے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ انہوں نے تعلیم کی ابتداء 1942ء سے سینٹ انتھونی ہائی سکول لاہور سے کی جہاں ان کے والد ایک انشورنس کمپنی میں ملازم تھے۔ 1948ء میں انہوں نے میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول ملتان سے صرف تیرہ سال کی عمر میں پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے ایک سال پہلے یعنی 1947ء میں انہیں برطانیہ اور فرانس میں منعقدہ ہونے والی سکاؤٹنگ جمبوری میں شرکت کے لئے بطور کنگز (شاہ) سکاؤٹ منتخب کیا گیا۔ پیرس میں قیام کے دوران پاکستان کے لئے (جو منزلِ آزادی کے آخری مراحل میں تھا) سرفراز کی گرم جوشی تمام حدود کی قیود سے بالاتر تھی۔ اس بارہ سالہ بچے نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک پاکستانی پرچم گرلز گائیڈ سے تیار کروایا جس میں سفید رنگ پر نچلی طرف ہلال ایک کونے میں اور ستارہ دوسرے کونے میں تھا۔ 14 اگست 1947ء کی شام سرفراز نے تین اور مسلمان سکاؤٹ بچوں کے ساتھ مل کر ایک دستے کی صورت میں نہایت فخر کے ساتھ پاکستانی پرچم لہرایا۔ یہ بارہ سالہ بچہ جب واپس آیا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ اس بار وہ اپنے نوزائیدہ وطن پاکستان میں لوٹا تھا۔

پاکستان میں انہوں نے ڈی جے سندھ سائنس کالج میں داخلہ لیا۔ سکاؤٹنگ سے اس کی لگن جاری رہی۔ ایک مرتبہ پھر آسٹریلیا میں منعقد ہونے والی جمبوری میں شرکت کے حوالے سے انہیں بیرونی دورے کا موقع میسر آ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد فضائی فوج کی طرف مائل ہو گئے جس میں ان کے بڑے بھائی اور ہونہار ہوا باز اعجاز رفیقی نے چوتھی جی ڈی (پی) کورس کی تکمیل کے موقع پر اعزازی شمشیر حاصل کی تھی۔ سرفراز نے 1951ء میں رائل پاکستان ایئر فورس میں شمولیت کے لئے درخواست دی۔

سرفراز رفیقی رائل فورس کے لئے منتخب ہوئے، سروسز سلیکشن بورڈ کی رپورٹ کے مطابق ان کے پائلٹ بننے کے امکانات بہت کم تھے۔ بعد میں وہ کوئٹہ میں جائنٹ سروسز پری کیڈٹ ٹریننگ سکول چلے گئے۔ سکول کے

کمانڈانٹ لیفٹیننٹ کرنل گل نواز خان سرفراز کے اعتماد، انگریزی زبان پر ان کے عبور اور چھوٹی سی عمر میں کئی بیرونی ممالک کے دوروں سے بہت متاثر تھے۔کوئٹہ میں پانچ ماہ کی پری کیڈٹ ٹریننگ ختم کرنے کے بعد وہ رائل پاکستان ایئر فورس کالج رسالپور میں داخل ہوئے۔1953ء میں وہ13 جی ڈی (پی) کورس کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہترین پائلٹ کا اعزاز حاصل کیا۔1960ء میں پاک فضائیہ کے فائٹر لیڈر سروس میں سرفراز نے پہلی پوزیشن حاصل کر کے بطور لڑاکا ہوا باز ایک بار پھر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔اس کے بعد انہوں نے رائل ایئر فورس کے ایک اعلیٰ ادارے فائٹر کا جیٹ سکول سے کورس مکمل کیا اور اس طرح اعلیٰ تربیت کے ایسے مراحل مکمل کیے جو آنے والے دنوں میں ان کے اور پاک فضائیہ دونوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے۔سرفراز نے بعد ازاں برطانیہ میں رائل ایئر فورس کے ساتھ دو سال تک خدمات انجام دیں اور اس دوران ہنٹر ہوائی جہاز اُڑائے۔

رائل ایئر فورس میں نمبر19 سکواڈرن کے کمانڈنگ آفیسر سکواڈرن لیڈر رایل ڈبلیو فپس نے بطور ہوا باز ان کی صلاحیتوں کے متعلق اپنی رپورٹ میں تحریر کیا:

''فضا میں ان کے تجربے اور مہارت کا امتزاج انہیں ایک ایسے لڑاکا ہوا باز اور قائد کے طور پر نمایاں کرتا ہے جس کے اثرات ان کے تمام پیشہ ورانہ معاملات میں انتہائی منظم اور واضح طور پر نظر آتے ہیں۔1962ء میں برطانیہ سے واپسی پر سرفراز رفیقی کو پاک فضائیہ کے نمبر14 سکواڈرن کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔اس کے ایک سال بعد انہیں فضائیہ کے ایک بہترین یونٹ سکواڈرن نمبر5 کی کمان سونپی گئی۔بطور سکواڈرن کمانڈر انہوں نے اپنے موثر کنٹرول اور پرواز کے دوران دلیرانہ رویوں کی وجہ سے بہت شہرت پائی اور پھر اسی سکواڈرن کی کمان کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

سرفراز رفیقی نہایت عمدہ حس مزاح کے مالک تھے۔ بطور افسر وہ دیانتدار، خوش مزاج، خوش اخلاق اور خوش لباس تھے۔ان کے روزانہ کے تمام معمولات اڑان کے شوق کے گرد محیط تھے۔فرصت کے لمحات وہ تیراکی میں گزارتے تھے۔

یہاں ایک واقعہ کا ذکر ضروری ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عزت اور وقار کے معاملے میں وہ کسی سمجھوتے یا مصلحت کے قطعاً قائل نہ تھے۔رائل ایئر فورس میں اپنی خدمات کے دوران وہ ایک ڈائننگ آؤٹ نائٹ کے موقع پر پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے۔اس تقریب میں یورپی ممالک کے سربراہان مملکت کے لئے جام صحت پیش کیا گیا جبکہ پاکستان کو نظر انداز کر دیا گیا۔سرفراز رفیقی اس پر شدید ردعمل اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے نہ صرف تقریب سے اٹھ کر چلے گئے بلکہ اگلی صبح انہوں نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو بتایا کہا اس حرکت کے ردعمل کے طور پر وہ رائل ایئر فورس کے ساتھ مزید خدمات انجام نہیں دیں گے اور واپس پاکستان آنا چاہیں گے۔یہ معاملہ کافی پیچیدہ ہو گیا لیکن سرفراز اس بات پر ڈٹے رہے کہ اس حرکت پر باقاعدہ معافی مانگی جائے۔بالآخر رائل ایئر فورس کے افسر کمانڈنگ نے نہ صرف اعلانیہ طور پر اس کوتاہی پر ندامت کا اظہار کیا بلکہ پاکستانیوں کو یقین دلایا کہ رائل ایئر فورس آئندہ ایسی حرکت سے اجتناب کرے گی۔سرفراز کے اس قدم نے یہ ثابت کیا کہ دنیا میں عزت نفس اور غیرت قومی سے بڑھ کر کوئی اور چیز مقدم نہیں۔

1965ء کی فضائی جنگ میں ہلواڑہ کے شاندار معرکے میں سرفراز رفیقی کی قائدانہ صلاحیتیں اپنے عروج پر تھیں۔اس معرکے میں گرایا جانے والا جہاز مجموعی طور پر رفیقی کا تیسرا شکار تھا۔وہ کسی لمحے بھی اپنے مشن سے غافل نہ تھے یہی وجہ تھی کہ کم روشنی کے باوجود انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملے کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی اور جب آزمائش کی گھڑی آئی تو مشین گن جام ہونے کے باوجود انہوں نے بہادری کی ایسی قابل تقلید مثال قائم کی جس

نے دوسرے سکواڈرن کمانڈرز اور ہوا بازوں کے خون کو گرما دیا اور دلوں کو تڑپا دیا۔ 1965ء کے تمام فضائی معرکوں میں سرفراز رفیق کی جانب سے پیش کیا جانے والا یہ گرانقدر نذرانہ شہادت شاید سب سے بڑا تھا۔ اپنی ذات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فرائض منصبی کی ادائیگی پر انہیں ستارۂ جرات کا فوجی اعزاز دیا گیا۔ اس کے علاوہ رفیق کو پاکستان کے دوسرے سب سے بڑے فوجی اعزاز ہلال جرأت سے بھی نوازا گیا۔

مزید برآں پاک فضائیہ کے شورکوٹ کے ہوائی اڈے کو رفیق کے نام سے منسوب کیا گیا جو ان کی دلیری اور اولوالعزمی کے چراغ کو ہمیشہ روشن اور زندہ جاوید رکھے گا۔ ستارۂ جرأت اور ہلال جرأت کے ساتھ حکومت کی طرف سے سرفراز رفیق کے خاندان کو فیصل آباد ڈویژن میں اعلیٰ درجے کی 77 ایکڑ زرعی اراضی ملی۔ رفیق کے والدین کی وصیت کے مطابق اراضی کی آمدنی کے ضمن میں رفیق ویلفیئر ٹرسٹ قائم کر دیا گیا۔ جس کی نگرانی پاکستان ائیرفورس کے ذمے ہے۔ یہ ادارہ بہت سے غریب اور حاجت مندوں کی فلاح و بہبود کے لئے آج تک کام کر رہا ہے۔

''ان سے متعلق کوئی مزید خبر ملی تو آپ کو فوراً اطلاع دی جائے گی ہم آپ کو خط بھی لکھ رہے ہیں'' مسٹر بی اے رفیق کو بھیجے گئے تار کا یہ آخری جملہ تھا۔ رفیق کے متعلق اصل حقائق جنگ کے بعد سامنے آئے۔ سرکاری طور پر جب جنگی قیدیوں کا باہمی تبادلہ کیا گیا تو رفیق کا نام بدقسمتی سے ان میں شامل نہ تھا۔ ان کا جسم ہلواڑہ کے کسی نامعلوم مقام پر رہ گیا مگر ان کی روح ان کے اپنے وطن میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ تقدیر نے سرفراز کو آخری بار گھر لوٹ کر آنے کی مہلت نہ دی۔ اس وطن کی سرزمین پر جس کا جھنڈا انہوں نے بچپن میں بھی ایک بار سربلند کیا تھا۔ ان کا نام آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ نشانِ منزل کے طور پر رہنمائی فراہم کرتا رہے گا۔

☆☆☆☆

فرمانِ قائد

مزدوروں کے بغیر صنعت پھل پھول نہیں سکتی

مجھے امید ہے کہ آپ اپنے کارخانوں کی منصوبہ بندی میں کارکنوں کے لئے مناسب رہائشی جگہ اور دیگر ضروری سہولتوں کا خیال رکھیں گے کیونکہ مطمئن مزدوروں کے بغیر کوئی صنعت پھل پھول نہیں سکتی۔

(ولیکا ٹیکسٹائل ملز 26 ستمبر 1947ء)

ہمارا تعلیمی انحطاط اور ہماری تاریخ

صوبیدار میجر (ر) حاجی محمد رزاق

چند ماہ قبل روزنامہ ''ڈان'' میں ایک حوصلہ شکن رپورٹ پڑھنے کو ملی جس پر بہت دکھ ہوا، یونیسکو جو کہ اقوام متحدہ کا ایک ذیلی ادارہ ہے کی رپورٹ کے مطابق ''پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں شرح خواندگی سب سے کم ہے ، اریٹیریا اور موزمبیق کی طرح پاکستان بھی اپنے سالانہ بجٹ کا صرف دو فیصد یا اس سے بھی کم تعلیم پر خرچ کر رہا ہے جبکہ اقوام متحدہ کی ہدایت کے مطابق ہر ملک کو تعلیم پر اپنے کل ترقیاتی اخراجات کا چھ فیصد خرچ کرنا چاہیے''۔ ۲۰۰۵ء میں ایک وفاقی وزیر نے ارادہ کیا تھا کہ آئندہ دس سالوں میں یعنی 2015ء تک تعلیمی شرح سو فیصد ہو جائے گی ۔ اپریل ۲۰۰۸ء سے قبل این سی ایچ ڈی کے چیئرمین نے ایک بیان دیا، ۲۰۱۱ء تک شرح خواندگی چھیاسی فیصد ہو جائے گی'' اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے سال بہ سال اور ماہ بہ ماہ بتدریج اضافہ ممکن ہوسکا ہے یا ۲۰۱۵ء میں کوئی جادوئی چراغ کام میں لایا جاسکے گا۔ تین سال گزرنے کے بعد ہدف ہی چودہ فیصد کم ہوگیا ہے۔ تو کیا یہ ممکن نظر آتا ہے کہ ہم اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرسکے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر ہمارے لئے منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ کس قدر تعجب ہے کہ ہم لاکھوں کروڑوں روپے صرف کر کے پالیسیاں مرتب کرتے ہیں اور آج تک کسی تعلیمی پالیسی کے مقاصد اور اہداف کو پوری طرح حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوسکے۔ صدر فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم کے دور میں ''نور خان کمیشن'' کے نام سے تعلیمی کمیشن کی سفارشات سامنے آئی تھیں، جو اس قدر حوصلہ افزا تجاویز اور منصوبوں پر مشتمل تھیں کہ اگر ان پر پچاس فیصد بھی عملدرآمد ہوتا تو آج ہمارا ملک اس تعلیمی بحران کی دہلیز پر کھڑا نظر نہ آرہا ہوتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ قومی سطح پر ہم ۱۹۷۵ء سے قبل کے تعلیمی معیارات کے مساوی تناسب ضرور حاصل کر چکے ہوتے۔ ایئر مارشل (ر) نور خان اپنے کمیشن کی مثالی سفارشات کیلئے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کیلئے لائق تحسین ہیں۔ اس کے بعد متعدد بار تعلیمی پالیسیاں بنیں، میں زیادہ تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتا تاہم اتنا کہنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ان پالیسیوں کے کچھ مقاصد اور تجاویز تو محض مبہم اور ناقابل عمل ہوتی تھیں اور جو قابل عمل ہوتی تھیں ان کے لئے مناسب قیادت اور ضروری فنڈز کی بروقت عدم دستیابی کے باعث اپنے اہداف سے محروم رہتی تھیں۔ حکومتوں کے عدم استحکام کا بھی ان پر اثر ہوتا تھا، بدقسمتی سے ملک عزیز اپنی عمر کے نصف سے زیادہ حصہ تک عوامی اقتدار سے محروم رہا، یہ الگ بات ہے کہ فوجی حکمرانوں کی قیادت میں بعض ایسے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے جن کی عوامی حکومت سے توقع نہ تھی لیکن فوجی اقتدار اور جمہوریت کے باہم تبادلے کے باعث بہت سے اداروں کی ترقی میں رکاوٹیں ضرور پیدا ہوئیں۔ فرض کریں فوجی حکومت نے ایک منصوبہ بنایا اس کی تکمیل سے قبل اقتدار عوام کے ہاتھوں میں چلا گیا وہ منصوبہ فائلوں میں دب کر رہ گیا۔ پھر عوامی حکومت نے کوئی

نیا منصوبہ تیار کیا اس پر عملدرآمد سے قبل اسمبلیاں ٹوٹ گئیں۔ اقتدار کی آئے دن منتقلی نے قومی سطح پر معاشی، سماجی، تعلیمی، اقتصادی اور ترقیاتی صورت حال کو متاثر ضرور کیا۔

وطن عزیز پاکستان کے تعلیمی انحطاط کے تقابلی جائزہ کیلئے میں اپنے ہم وطن بھائیوں کو یہ ضرور بتانا پسند کروں گا کہ ایک رپورٹ کے مطابق۔

''فلپائن، جاپان، جنوبی کوریا، اور ملائیشیا میں شرح خواندگی سو فیصد ہے، انڈونیشیا میں ۹۹ فیصد ہے، نیپال میں ۹۱ فیصد ہے، جبکہ پاکستان میں شرح خواندگی کا حقیقی تناسب ۲۸ فیصد ہے (جو بنگلہ دیش اور سری لنکا کے نصف سے بھی کم ہے)۔

آیئے ذرا اپنے دو سو سالہ ماضی پر ایک مختصر نظر ڈالیں ممکن ہے ہمیں کچھ احساس ہو کہ بقول علامہ اقبالؒ۔

؎ تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو!

اٹھارہویں صدی میں برصغیر تعلیمی ترقی کا گہوارہ تھا، یہ دنیا کا واحد ملک تھا جہاں تعلیمی تناسب اَسّی فیصد تھا یہ وہی خطہ ہے جسے انگریز نے ''سونے کی چڑیا کہا تھا'' اس سونے کی چڑیا کے ہاتھوں میں تعلیم، صنعت و حرفت اور تجارت تھی یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی خوشحالی اور اقتصادی ترقی بے مثال تھی، اناج، مسالے اور دیگر اشیائے خوردنی کے علاوہ کپڑے کی برآمد میں برصغیر سب سے آگے تھا۔ بنگال سے عمدہ اور نفیس کپڑا یورپی ممالک میں جاتا تھا، یہاں تک کہ برطانیہ کے طبقۂ امراء میں صرف اسی سرزمین کے عمدہ پارچہ جات استعمال ہوتے تھے۔

فرانسیسی، ولندیزی اور انگریزی تجارتی کمپنیاں جب اٹھارویں صدی کے وسط میں خطے میں داخل ہوئیں اور اس علاقے کی دولت سے ہاتھ رنگنے شروع کیے تو بدقسمتی سے یہاں سیاسی استحکام کی کمی تھی۔ سلاطین اور امراء باہمی تنازعات میں الجھے ہوئے تھے اور اقتدار کی باگ ڈور نااہل فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلکاروں نے تجارت کے ساتھ ساتھ سیاسی جوڑ توڑ میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور تجارتی کوٹھیوں کی صورت میں جو مراکز قائم کیے تھے ان میں سیاسی ساز باز کا عمل ہونے لگا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی درحقیقت ایسے تاجروں کا گروہ تھا جو برصغیر کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔ یورپی مصنوعات یہاں لاتے، یہاں کی مصنوعات یورپ کو منتقل کرتے اور لوٹ مار سے بھی گریز نہ کرتے۔ جب ان پر اقتدار کا نشہ سوار ہوا تو انہوں نے ہر جائز و ناجائز حربہ کو روا رکھا۔ دوہرے منافعے کمانے والی اس قوم نے یہاں کے تعلیمی نظام کو تباہ کرنے کے بعد یہاں سامراجی نظام نافذ کیا۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر اس قوم میں اس تعلیم کا یہی تناسب قائم رہا تو یہ ہمیں حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ ان کی کوشش تھی کہ یہاں کے لوگ عیسائیت قبول کریں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں، مسلمان علماء نے ان کے قائم کردہ انگریزی سکولوں سے نفرت پھیلائی اور اسلامی طرز کے مدرسوں کو حکومت کی طرف سے فنڈز نہ ملتے تھے لہٰذا وہ پسماندگی اور کسمپرسی کا شکار ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی اکثریت تعلیم سے محروم ہوتی گئی۔

۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں بنگال کے قومی خزانے کو لوٹا گیا۔ دنیا میں سیاسی لوٹ مار کی یہ بدترین مثال ہے۔ انگریزوں نے یہاں سے کروڑوں اشرفیاں انگلستان منتقل کر دیں۔ انگلستان میں ۱۷۶۰ء میں جو صنعتی انقلاب آیا تھا اس میں زیادہ تر ہندوستان کی سرزمین سے لوٹی ہوئی دولت استعمال کی گئی، بھاپ سے چلنے والی مشینری نے ایک صنعتی انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ لیکن اس پر مستزاد یہ کہ کپڑے کی صنعت کیلئے ماہر کاریگروں کی ضرورت تھی۔ یہ کاریگر بھی ہندوستان سے لے جائے گئے۔ بنگال پر قبضہ کے بعد انگریز یہاں سے بہت سے ماہر کاریگروں کو برطانیہ لے گئے۔ ان سادہ لوح لوگوں نے انگریزوں کو نفیس کپڑا بنانے کا فن سکھا دیا۔ ظالم اور سنگدل انگریزوں نے اس خلوص کا

انہیں یہ صلہ دیا کہ جو وطن واپس آئے ان کے ہاتھوں کے انگوٹھے کاٹ دیے گئے تا کہ وہ کام کے قابل نہ رہیں البتہ جنہوں نے عمر بھر وہاں رہنا قبول کرلیا وہ اس ظالمانہ اقدام سے محفوظ رہے۔

اٹھارہویں صدی کے آخر تک انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے۔ آخری ریاست جس پر ان کا قبضہ ہوا میسور کی ریاست تھی۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو شیر میسور کو شہید کروانے کے بعد انگریزوں نے اعلان کیا تھا ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے'' اس کے بعد انہوں نے اپنے اقتدار کو طول اور استحکام بخشنے کیلئے ایسی پالیسیاں اختیار کیں کہ مسلمان پست سے پست تر ہوتے چلے گئے۔ چونکہ انہوں نے اقتدار مسلمانوں سے حاصل کیا تھا۔ اس لئے یہ قوم ان کو کھٹکتی تھی۔ اور ویسے بھی مفکرین کا یہ خیال درست ہے کہ کفر ہمیشہ کفر سے دوستی کر لیتا ہے۔

گویا انگریز اور ہندو مل جل کر مسلمانوں کو پسماندگی کی طرف دھکیلتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برصغیر کا اہم ترین تاریخی باب ہے۔ اگرچہ اس میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے بلکہ یہ کہا جائے کہ فتنہ پروری میں ایک قدم آگے تھے تو بجا ہوگا مسلمان تو پرامن جدوجہد میں مصروف تھے اس کے باوجود انگریز حکمران طبقہ کی طرف سے انتقامی کاروائیوں میں مسلمان ہی نشانہ ستم بنے اور سر سید جیسے مصلح سیاست دانوں کو بعد ازاں ''اسباب بغاوت ہند'' جیسے رسالے لکھ کر اپنی قوم کی بے گناہی ثابت کرنا پڑی۔

اپنے اقتدار کو استحکام دینے کیلئے انگریزوں نے یہاں کی معیشت کی تباہی کے بعد دوسرا اہم ہدف نظام تعلیم کی تباہی کو بنایا۔ انہوں نے ایسا نظام رائج کیا کہ وہی قوم جو ۸۰ فیصد خواندہ تھی ۱۹۴۷ء (قیام پاکستان) تک صرف سات فیصد کے تناسب تک آ پہنچی۔ انگریزوں کے نظام تعلیم کے باعث مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں تو بطور خاص تعلیم سے محرومی رہی اور جہاں تعلیم موجود تھی وہاں بھی اس قدر کہ ان کی دفتری ضروریات کیلئے کلرک پیدا ہو سکیں۔ انجینئر، ڈاکٹر، فوجی افسر، ماہرین اور عدلیہ اور انتظامیہ کے بڑے اور کلیدی اہلکار تو یوں بھی برطانیہ سے لائے جاتے تھے۔ اور انہیں اس قدر پرکشش تنخواہیں اور مراعات دی جاتی تھی جن کا تصور وہ مملکت برطانیہ میں رہ کر کبھی نہ کر سکتے تھے۔ تعلیم کے اس زوال اور انحطاط میں بہت سے انگریزوں کا کردار تھا جن میں لارڈ میکالے کا نام بہت نمایاں ہے۔ اس سازشی تعلیمی نظام کے بانی اور منتظم اعلیٰ لارڈ میکالے نے خود لکھا ہے۔

''ہندوستان میں انگریزی حکمران طبقہ کے ہاں بولی جانے والی زبان ہے۔ اسے حکومت کی اعلیٰ درجہ کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے وطنی لوگ بھی بولتے ہیں۔ یہ مشرق کے سمندروں کے ذریعے ہونے والی صنعت و تجارت سے متعلقہ لوگوں کی زبان بھی بن سکتی ہے یہ دراصل عظیم یورپی طبقوں کی زبان ہے جو جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا میں ابھرتے جا رہے ہیں۔''

اس طرح کے اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ''میکالے'' کے نظام تعلیم کا اصل مقصد حکمران طبقہ کی افرادی ضروریات پوری کرنا تھا اور یہاں بھی انگریزی زبان کو ہر لحاظ سے فوقیت دینا مقصود تھا۔ سرکاری محکموں کی معمولی اسامی کی بھرتی کیلئے بھی انگریزی کی سدھ بدھ ضروری تھی جبکہ عربی اور فارسی میں اعلیٰ درجہ کے حامل ہندوستانی مسلمانوں کیلئے نوکری کا حصول لگ بھگ ناممکن تھا۔

انگریزی زبان کی قدردانی کے ساتھ یورپی اقوام نے دو مقاصد حاصل کئے پہلا اور اہم مقصد یہ تھا کہ اس زبان کے ذریعے وہ انگریزی تہذیب و ثقافت کو آسانی سے اس ملک کے باشندوں میں راسخ کر سکتے تھے اور دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ انہیں ایک ایسے طبقہ کی ضرورت تھی جو دل و جان سے انکا وفادار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انتقال اقتدار کے بعد وطن واپس جاتے ہوئے ایک اخبار نویس کو جواب دیا ہم جو نظام تعلیم چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس کی بدولت ہمیں یقین ہے کہ کم از کم پچاس سال تک ہمارا ہی راج رہے گا'' ماؤنٹ بیٹن

نے کم از کم پچاس سال کہے تھے اس لیے کہ قائداعظمؒ جیسے عظیم رہنما اس کے ذہن میں تھے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ لوگ جلد چل بسے جوطوفان سے کشتی نکال کر لائے تھے پھر یہ کہ "کم از کم" تو پچاس سال کا اندازہ تھا اور زیادہ سے زیادہ ہماری اس زبوں حالی کیلئے کوئی قید نہیں۔ اور ہم جس غفلت کا شکار ہیں یہ پچاس سال تو گذر چکے بلکہ ایک دہائی اوپر گزر چکی ہے۔ اس خواب خرگوش میں ہم کئی صدیاں بھی گزار دیں تو بعید نہیں۔ کیونکہ اگر انصاف اور غیر جانبداری سے تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارے ہاں ابھی تک انگریزی زبان، انگریزی تہذیب وتمدن، انگریزی ثقافت، یورپی قوانین، برطانوی نظام تعلیم اور غلامانہ خصائص اس طرح موجود ہیں جس طرح آزادی سے پہلے تھے اور گذشتہ چند سالوں سے ہم نے تباہی کی طرف مزید پیشرفت کی ہے۔ کچھ ایسے اقدامات ہیں جن کا ذکر بہت ناگزیر ہے۔ ۱۹۹۶ء کے لگ بھگ ہم نے اپنے سرکاری سکولوں میں جماعت اول سے انگریزی کو لازمی قرار دیا جبکہ اس سے قبل انگریزی لازمی کی تعلیم چھٹی سے شروع ہوتی تھی۔ ایک تو "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا" کے مصداق بچوں کی قومی زبان اردو میں خواندگی اور ادراک میں شدید کمی واقع ہوئی۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ بارہ تیرہ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود نصف سے زیادہ سکولوں میں ابھی تک انگریزی کے اساتذہ کی اسامیاں پُر نہ ہو سکیں اور طلبہ محض انگریزی کی کتابیں اٹھانے پر مجبور ہیں۔ سرکاری سکولوں کے وسطانی درجہ سے فارسی کو ختم کر کے ایک تو ہم نے اپنی نئی نسل کو اردو کے کلیدی ماخذ کے ادراک سے محروم کر دیا۔ اور دوسری طرف علامہ اقبالؒ، مولانا روم، شیخ سعدیؒ اور حافظ شیرازیؒ جیسے عظیم مسلمان مفکرین کے افکار کی تفہیم سے کلی طور پر نابلد کر دیا اور مسلمانوں کے عظیم الشان ماضی کے ورثہ کے ترجمان، اس زبان، سے محروم کر کے گویا اپنے آباؤ اجداد سے لاتعلق کر دیا۔ جہاد سے متعلق اسباق اور اسلامی ہیروز کو اب اس بنیاد پر نصاب سے خارج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس سے دہشتگردی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ بلاشبہ دہشتگردی بہت بڑی لعنت ہے لیکن جہاد اور دہشتگردی کے واضح فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد مناسب اقدام کیے جانے چاہئیں۔ کسی سازش کا شکار ہو کر قوم کے معصوم بچوں کو غلط راہوں پر ڈالنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ایک عجیب سانحہ ہے کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد ہم اپنے تعلیمی سیشن کو بھی استحکام نہ دے سکے۔ کبھی مارچ میں امتحان ہوتے ہیں اور کبھی اگست میں، ایک سال تو دسمبر میں سالانہ امتحان لیے گئے۔ کسی درجہ میں جب ایک طالب علم کا تعلیمی دورانیہ ان تبدیلیوں کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے تو اس کو نصاب مکمل کرنے میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اس کمزوری کا اثر اس کے پورے تعلیمی کیریئر پر پڑتا ہے۔ یہی حال امتحانی نظام کا ہے کبھی پارٹ وائز اور کبھی کمپوزٹ اور کبھی پھر واپس اپنی روش پر۔ اس طرح ذہنی طور پر طلبہ اضطراب کا شکار رہتے ہیں میرا ذاتی خیال ہے کہ ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے مثبت تعلیمی اقدامات کی ضرورت ہے۔ صرف خواندگی کی شرح بڑھانا کافی نہیں ہوگا۔ ہر شعبہ زندگی اور ہر ادارہ کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ماہرین اور اہلکار پیدا کرنے اور ان کی مناسب ترین اور کماحقہ تربیت کیلئے کامل منصوبہ بندی اور اس پر مخلصانہ عملدرآمد کی اشد ضرورت ہے۔ جو انگوٹھا لگانے کی بجائے دستخط کر لے اسے ہم خواندہ کہتے ہیں لیکن وہ ایک سرکاری خط بھی نہیں پڑھ سکتا۔ کسی خط کا جواب دینا تو بہت دور کی بات ہے جبکہ ہمیں ہر سو نفوس میں کم از کم ایسے دو افراد کی ضرورت ہے جو آج کے ترقی کے دور میں کسی نہ کسی شعبہ میں سپیشلائزیشن کے حامل ہوں کیونکہ یہ سپیشلائزیشن کا دور ہے اور اس دوڑ میں ہمیں ترقی یافتہ اقوام کے برابر اپنا مقام پیدا کرنے کیلئے اعلیٰ تعلیم کے حامل افراد کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم کسی کے دست نگر نہ رہیں اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے قابل ہو سکیں۔

☆☆☆☆

فکرِ اقبالؒ کو عام کرنے کی ضرورت

رشید احمد رشید تراب

جس طرح قومی پرچم، قومی لباس، قومی رنگ، قومی پھول، قومی کھیل، قومی ترانے اور قومی زبان کو کسی قوم کے تشخص کی علامت سمجھا جاتا ہے اِسی طرح اُس قوم کے ہیروز جن میں قومی رہنما، قومی ادب، قومی فنکار اور قومی شاعر بھی کسی قوم کی عظمت اور اس کے تشخص کی علامت ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ ہمارے قومی شاعر ہی نہیں بلکہ عظیم فلاسفر اور آزادی کے علمبردار ہیں۔ مصور پاکستان کی حیثیت سے ان کا مقام تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں کی فہرست میں چند ابتدائی ناموں میں آتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے افکار کو قوم کی نئی نسل میں عام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم کلامِ اقبالؒ کا ایک خاطر خواہ حصہ اپنی نصابی کتب میں شامل کریں۔ اگرچہ ہماری نصابی کتب میں چند اسباق اقبالؒ سے متعلق شامل ہیں جن کا مختصر تذکرہ یہ ہے کہ پرائمری حصہ کی اردو کی کتب میں اقبالؒ کی ایک نظم ''ہمدردی'' اور ایک نظم ''بچہ اور جگنو'' شامل ہیں۔ جو اقبالؒ کے بچپن یا طالب علمی کے زمانہ کی تخلیقات ہیں اور ۱۹۰۵ء سے قبل معرضِ وجود میں آئیں۔ اسی طرح جماعت ششم کی انگریزی کی کتاب میں Children`s Iqbal (بچوں کا اقبالؒ) کے عنوان سے ایک سبق شامل ہے جو موضوع کے اعتبار ہی سے بہت محدود ہے۔ اس میں بھی اقبالؒ کی صرف ان نظموں کا ذکر ہے جو بانگِ درا میں ابتدائی حصہ میں شامل ہیں اور جو ۱۹۰۵ء سے قبل لکھی گئیں تھیں جماعت ہفتم کی اردو کی کتاب میں البتہ ایک سبق '' تحریک پاکستان میں علامہ اقبالؒ کا کردار'' کے عنوان سے ہے جو کسی قدر بہتر اور فکر انگیز ہے۔ یہی حال دوسری نصابی کتب کا ہے ٹیکسٹ بورڈ کو بزم اقبالؒ، اقبالؒ اکادمی اور اس قبیل کے دوسرے اداروں کے افکار و نظریات پر زیادہ سے زیادہ تدریسی مواد درسی کتب میں شامل کرنا چاہئے یہ تناسب کسی صورت میں منصفانہ نہیں سمجھا جائے گا کہ فرض کریں ثانوی سطح کی ایک کتاب میں جہاں حیدر علی آتش، ادا جعفری اور ناصر کاظمی کی تین تین غزلیں شامل کی جائیں وہاں علامہ اقبالؒ کی بھی تین چار غزلیں شامل کی جائیں۔ اس طرح ہمارے نوجوان طبقہ کے ذہنوں میں علامہ اقبالؒ کا درجہ بھی شعوری طور پر ایک غزل گو کی طرح رہ جائے گا اور اتنے عظیم مفکر کا رتبہ محض ایک غزل گو شاعر کی حیثیت میں رہ جائے تو یہ مقامِ افسوس ہے۔ جہاں تک ایک شاعر کی حیثیت سے اقبالؒ کا مقام ہے تو انہیں ایک قومی شاعر کی حیثیت سے اپنی نوجوان نسل میں متعارف کرانا ازبس ضروری ہے اور اس سے بڑھ کر ایک مصلحِ قوم، ایک مفکرِ عالم اِسلامی اور ایک عظیم فلسفی کی سطح پر متعارف کرانا بھی نصاب کا اولین تقاضا اور نصاب ساز اداروں کی اہم ذمہ داری ہے۔ ایف اے اور بی اے کی سطح پر نوجوان طلبہ کے اذہان پختہ اور اِن کی فکر بالغ ہوتی ہے۔

انہیں بھر پور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اقبالؒ کے فکر وفن کو اس قدر عام کیا جائے کہ طلبہ اس سے رہنمائی حاصل کر کے اپنی منزل کا تعین کر سکیں اور اپنے مقام کو بخوبی سمجھ سکیں۔

ہمارے نصاب ساز اداروں کو اس بات کی فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ علامہ اقبالؒ ایک مفکر تعلیم کی حیثیت سے اپنا ایک نظریۂ تعلیم بھی رکھتے ہیں لہٰذا ان کے افکار کی روشنی میں ابتدائی، وسطانی اور ثانوی درجوں میں اقبالؒ کے کلام، ان کی نثر، ان کے تحقیقی کارناموں، ان کے نظریۂ خودی، ان کے تصور آزادی اور ان کے علم الکلام کے بارے میں اس قدر معلومات ضرور فراہم کی جائیں تا کہ کالج کی سطح پر جا کر طلبہ مزید آگے بڑھنے کیلئے ذہنی طور پر آمادہ ہوں اور اقبالؒ کے تصور وطنیت، تصور ملتِ اسلامی، تصور زمان و مکان، تصور حیات و ممات نیز اقبالؒ کے نظریۂ حسن و عشق، نظریۂ تقلید مغرب، نظریۂ رسولؐ، اور نظریہ ہائے علوم وفنون سے آگاہی حاصل کرنے میں کوئی دِقّت محسوس نہ کریں اور ان کے دل و دماغ اس قدر پختہ ہوں کہ وہ اقبالؒ کے منشاء کی مطابق اپنے اندر عُقابی روح کو بیدار ہوتا دیکھ سکیں، کیونکہ اقبالؒ کا ہدف یہ ہے۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اِس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

اقبالؒ کو اپنی قوم کے نوجوانوں سے بہت سی توقعات ہیں وہ ان کے اندر زندہ جذبات کو موجزن دیکھتے ہیں وہ قوم کے مستقبل سے پُر امید ہیں۔ اور نوجوان طبقہ سے بہت سی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

آج کے پُرفتن دور میں جب مسلمان مصائب و آلام کی بھٹی میں سلگ رہے ہیں اقبالؒ جیسے عظیم مفکر کے پیغام کو عام کرنے اور قوم کو اقبالؒ کے افکار کی جانب راغب کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

ہم اقبالؒ کے یومِ ولادت اور یومِ وفات تو منا لیتے ہیں، لیکن ان خاص موقعوں پر بھی چھٹی کے تصور سے آگے نہیں بڑھتے۔ ریڈیو اور ٹی وی سے کسی حد تک کلامِ اقبالؒ پیش کر کے اقبالؒ کی یاد منائی جاتی ہے یا ایک آدھ سیمینار کی کارروائی نشر کر دی جاتی ہے، یہ سب ضروری امور ہیں لیکن اقبالؒ کے کمالات اور اُن کے افکار کو تحقیق کی نظر سے دیکھنے کی ضروری اور ناگزیر محنت نہیں کی جاتی۔ آنے والی قوم کو ایک تہذیبی ورثہ، ایک ثقافت، ایک عالمگیر پیغام اور ایک منفرد فکر منتقل کرنا ہماری ذمہ داری ہے جو صرف یومِ اقبالؒ منانے سے یقیناً ممکن نہیں۔ اقبالؒ کی نظم و نثر پر اور ان کے غیر مدوّن ملفوظات پر، نیز ان کی زندگی کے تمام شعبوں پر تحقیق کو نئے انداز سے آگے بڑھانا چاہیئے۔

اقبال کے پیغام میں ہمہ گیریت ہے، یہ تابندہ و درخشاں رہنے والا پیغام ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بہت سے پڑھے لکھے لوگ اس جذباتی غلطی میں مبتلا ہیں کہ انہیں جو شعر پسند آتا ہے اپنی گفتگو، تقریر یا تحریر میں پورے دھڑلے سے اقبال سے منسوب کر دیتے ہیں چاہے شعر ظفر علی خان، مولانا حالیؔ یا کسی بھی دوسرے شاعر کا ہو اقبالؒ کی مقبولیت کے ثبوت کے طور پر تو ہم مانتے ہیں کہ یہ بھی ان کی ایک گونہ مقبولیت کی دلیل ہے لیکن اس امر پر افسوس بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے محسن، شفیق اور نجات دہندہ کے معاملے میں اس قدر لاعلم کیوں ہیں۔ اقبالؒ کے افکار کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں محض رسمی طور پر نہیں بلکہ قومی ضرورت کے تحت اپنایا جائے کلامِ اقبالؒ کی ہمہ گیریت اور آفاقیت کو اجاگر کرنے میں کوئی تساہل نہ برتا جائے۔

ہمارے بعض طبقے اس خیال سے اقبالیات کے مطالعے کو ترک کئے ہوئے ہیں کہ اقبال کا ایک مشن تھا، ہندوستانی مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے آزادی کی راہ پر چلانا، جب ہندوستان کے مسلمانوں نے وطن حاصل کر لیا تو اقبالؒ کے کلام پر مزید محنت کی ضرورت باقی نہ رہی حالانکہ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہٰ الا اللہ

ایک سادہ سی مثال پر غور کرنے کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ ابھی حال ہی میں جاپان کی ڈائتوبنکا یونیورسٹی کے پروفیسر ہیروجی کتاؤ کا نے بانگ درا کا جاپانی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اپنی تصنیف کو پانچ تفصیلی ضمیموں سے مزین کیا ہے جس میں بانگ درا کے حوالے سے اقبالؒ کی شاعری کی خصوصیات اور فن پر بحث کی ہے۔ کتاؤ کا صاحب اقبالؒ کی دیگر کتب کے ترجمے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں اور اس منصوبے پر کام شروع کر چکے ہیں۔ کیا ان حقائق کی روشنی میں ہم اپنے اہل وطن سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جاپان جیسی ترقی یافتہ قوم کو اقبالؒ پر کام کرنے میں وقت اور سرمایہ صرف کرنے کی کیا پڑی ہے؟ بحیثیت ایک مسلمان قوم ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی آنے والی پود کے ہر بچے کو حیاتِ اقبالؒ اور فکرِ اقبالؒ سے پوری طرح آگاہ کریں اور اپنے اس محسن کی دی ہوئی تعلیمات سے استفادہ کے قابل بنائیں۔ بقول اقبالؒ

الٰہی آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

☆☆☆☆

فرمانِ قائد

رشوت ستانی، بددیانتی......ایک زہر

ہندوستان اس وقت جن بدترین لعنتوں میں گرفتار ہے ان میں رشوت ستانی اور بددیانتی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے دوسرے ممالک ان کا شکار نہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ ہماری حالت اس معاملے میں بدتر ہے۔ فی الحقیقت یہ ہمارے لئے زہر ہیں۔ ہمیں ان برائیوں کو نہایت سختی کے ساتھ کچلنے کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہوگا آپ ان لعنتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کریں گے اور مناسب قوانین بنائیں گے۔

(دستور ساز اسمبلی سے خطاب 11 اگست 1947ء)

قومی پرچم کا احترام جان سے بالا ہے

غلام اکبر عابد

1965 میں ترکی کے شہر استنبول میں سینٹو کے ممالک کے درمیان کھیلوں کے مقابلے ہونے قرار پائے۔پاکستان آرمی کی نشانہ باز ٹیم کی قیادت کیپٹن نثار احمد کر رہے تھے۔مارچ پاسٹ ہونے کی تیاریاں آغاز پر تھیں۔چیف گیسٹ کی آمد کا وقت انتہائی قریب تھا اور تمام انسٹرکٹر صاحبان اپنی اپنی ٹیموں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ان خیالات کا اظہار تراپ تحصیل جنڈ ضلع اٹک کے ریٹائرڈ صوبیدار میجر حاجی محمد رزاق نے ایک ملاقات کے دوران وطن عزیز کی قومی پرچم کے تقدس کو قائم رکھنے کی سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کیا۔انہوں نے بتایا کہ پاکستان کے ترکی میں مقیم سفیر جنہوں نے ایک روز قبل ائرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا،مہمانوں کے انکلوژر میں موجود اپنے نوجوانوں کو بڑے فخر سے دیکھ رہے تھے اور تمام لوگوں کی نظریں پاکستانی ٹیم پر تھیں کہ اتنے کم عرصے میں انہوں نے سپورٹس کے میدان میں شاندار ترقی کر لی ہے۔مہمانِ خصوصی کی آمد ہوئی اور ہم نے لائن اپ کر کے مارچ پاسٹ شروع کر دیا۔سب سے پہلے برطانیہ کی ٹیم تھی،جس کے لیڈر کے ہاتھ میں برطانیہ کا قومی پرچم تھا اس کے بعد امریکہ کی ٹیم تھی۔تیسرے نمبر پر ترکی اور چوتھے نمبر پر ہماری ٹیم تھی۔میں پاکستانی پرچم اٹھائے ہوئے بڑے فخریہ انداز سے چل رہا تھا اس وقت مجھ پر عجب کیفیت طاری تھی اور مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ پوری قوم کی عزت و وقار کی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی ہے۔

مہمان خصوصی کے سٹیج کے سامنے سے جونہی برطانیہ کی ٹیم گزری تو قائد نے مہمان خصوصی کی طرف دیکھ کر نعرہ لگایا اور پرچم تعظیماً جھکا دیا۔اس کے بعد باری باری آنے والی ٹیموں نے اسی طرح کیا۔مگر جب میں سلامی کے چبوترے کے سامنے پہنچا تو میرے ضمیر نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں اپنے ملک کے پرچم کو کسی آدمی کے سامنے جھکاؤں کیونکہ تعظیمی سلام تو پرچم کو کیا جاتا ہے نہ کہ پرچم کو جھکا دیا جاتا ہے۔اس احساس کے ساتھ میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی قوم کی عظمت کو خم نہیں کروں گا۔چنانچہ میں نے نعرہ لگایا اور مہمان خصوصی کی طرف دیکھ کر جھنڈے کو اسی شان کے ساتھ پکڑے ہوئے گزر گیا۔سارے لوگ میری اس حیران کن حرکت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

☆☆☆☆

دین اسلام، عالمگیر اُخوت کا داعی

رشید احمد رشید تراب

ہمیں بجاطور پر فخر ہے کہ ہم جس مذہب کے داعی ہیں، وہ ایک کامل دین ہے اور دوسرے مذاہب سے اس لحاظ سے یکسر مختلف اور منفرد ہے کہ یہ صرف چند عبادات اور نظریات کا مجموعہ نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات اور نظام زندگی کے رہنما اصولوں کا مرجع ہے بلکہ اس میں یہ خوبی ہے کہ دیگر مذاہب عالم کو اتحاد و اتفاق اور باہم حسن سلوک کی دعوت دیتا ہے، یہ انسانیت کا بہی خواہ اور حسنِ معاشرت کا داعی ہے۔ جو لوگ اسلام کو شدت پسند مذہب سمجھتے ہیں یا تو اس مذہب کے اصل فیضان سے کماحقہ آگاہ نہیں یا پھر محض تعصب کا شکار ہیں، سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کیلئے عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے پر قائم رہو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر سکے کہ تم جادۂ انصاف سے ہٹ جاؤ بلکہ انصاف سے کام لو کیونکہ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔(8-11)''

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو (بلا امتیاز مذہب) اپنے عیال سے تعبیر کیا ہے اور مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کا مفہوم یوں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عیال سے اچھا سلوک کرے''۔ مولانا حالیؔ نے شاید اسی نظریے کی ترویج میں کہا ہے۔ ایک بار حضور رحمتِ عالمؐ نے فرمایا ''جبرائیلؑ مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ پڑوسی کو وارث قرار دے کر اسے ترکہ میں حصہ دے دیں گے''۔ (مشکوٰۃ شریف) یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ پڑوسی کے ضمن میں مذہب کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی، جو مذہب ایسے معاشرتی اقدار کا علمبردار ہو اس کے بارے نفرتوں کا اظہار چہ معنی دارد؟

دین اسلام نے پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کو فطرت کی منشاء کے مطابق مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے بلکہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان تمام انسانوں کی فکر میں لگے رہیں جو گمراہی یا شرک کے باعث جہنم کی آگ کا ایندھن بننے والے ہیں، انہیں راہِ راست پر لانے اور اخروی زندگی کیلئے عقائد کی درستی اور اعمال صالحہ پر قائم رہنے کی تقلین کرتے رہنا مسلمانوں پر لازم آتا ہے، تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنکَرِ میں یہی راز کارفرما ہے۔ اسلام باہمی رواداری اور اخوتِ انسانی کی بنیاد پر معاشرے کے تمام طبقوں کو باہم شیر وشکر کرنے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے نیز باہمی محبت و ہمدردی کو عام کرنے کا درس دیتا ہے، مولانا حالیؔ نے اپنی معروف مسدّس ''مدوجزر اسلام'' میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی صفت بیان کی ہے۔

مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر وشکر کرنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

اسلام کے اسی فلسفۂ حیات آفرین کو علامہ اقبالؒ نے متعدد مقامات پر اپنے انداز میں پیش کیا ہے مثلاً

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تُورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تُو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اُخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

مختصر اُعرض ہے کہ اخوت و محبت کا جو تقاضا عین فطری بنیاد پر ہے وہی اسلام کا مدعائے خاص بھی ہے اور جہاں علاقائی، لسانی اور نسلی تعصبات نے انسانیت کو نفرتوں کے روگ لگا رکھے ہیں دینِ اسلام کا ہر پیروکار انہیں اپنی پرواز سے پہلے جھاڑ دیتا ہے، اسی طرح ہوسِ اقتدار، برتری اور سربلندی کی خواہش، زیادہ سے زیادہ وسعتِ سلطنت کا جنون اور سپر پاور بننے کے خبط نے جہاں انسانیت کو منتشر کر کے عالمی سکون کو تہہ و بالا کر دیا ہے وہاں اسلام ہی وہ واحد سرچشمہ ہے جو عالمی اخوت اور ہمہ گیر محبت کا علمبردار ہے، اسلامی معاشرے کی اولین ترجیح اولادِ آدمؑ کی فلاح و بہبود کی ضمانت ہے، شاعر مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدمؑ

اس دینِ فطرت نے انسان کو امن و آشتی کا ماحول دیا ہے۔ دنیا کا کوئی دستور یا آئین، اسلامی فلاح اور معاشرے کی بہتری کیلئے خود اپنی رعایا کیلئے اس قدر مراعات کا دعویٰ نہیں کرتا جتنی مراعات اور تحفظات اسلامی نظامِ معیشت میں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کیلئے رکھی گئی ہیں، اسلام نے حقوق و فرائض میں ایسا مثالی توازن قائم کیا ہے جس کی تقلید کر کے دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے معاشی نظام کو سنوار لیا، آج مذاہبِ عالم اپنی آئین سازی کی ترکیب میں اسلام کے زرّیں نظریات کو جزوی طور پر اپنا کر خوشحالی کے متلاشی ہیں، کاش! وہ پہلے اپنے عقائد کی اصلاح کرتے تو کلی طور پر اسلام کے نظامِ حیات کو لاگو کرنے سے بات ہی کچھ اور ہوتی!

اسلام کے نزدیک ترویج و اشاعت دین کے معاملے میں بھی سختی روا نہیں رکھی گئی اور مذہبی آزادی کو ہر شخص کا بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے، ''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں''۔ (۲۵۶) اسی طرح سورۂ یونسؑ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''اگر آپؐ کا پروردگار چاہتا تو زمین کے سارے لوگ ایمان لے آتے کیا پھر آپؐ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں؟'' (۹۹) گویا مجبور کر کے اسلام میں داخل کرانا لازم نہیں، حسنِ اخلاق اور معاشرتی انصاف سے انہیں قائل کر کے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا ہے۔

اسی طرح سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ربانی ہے، ''آپؐ کا کام تو صرف سمجھانا ہے، آپؐ ان پر داروغہ نہیں ہیں'' (۲۲) اسی طرح کا مفہوم سورۃ العنکبوت کی اس آیۂ کریمہ میں ہے، ''اور رسولؐ کے ذمہ صرف واضح طور پر (پیغام) پہنچا دینا ہے''۔ (۱۸)

اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے اپنی ریاست کے شہریوں کو مکمل مذہبی آزادی دی ہے یہ امر صرف کسی زبانی بیان یا تحریری دستاویز کی شکل میں نہیں بلکہ عملی طور پر اس نظریے کے اطلاق سے اسلامی معاشرے کے ریاستی امور وضع کیے جاتے رہے ہیں، اسلامی تاریخ میں کسی موڑ پر بھی غیر مسلم شہریوں سے ان کی مذہبی آزادی سلب نہیں کی گئی بلکہ انہیں مراعات دی گئیں اور ان کے بنیادی حقوق کا پورا پورا خیال رکھا گیا یہاں تک کہ غلاموں اور ذاتی ملازموں کو بھی اپنے برابر سہولیات فراہم کی گئیں۔

قرآن کریم نے تبلیغ کے معاملے میں بھی واضح، منطقی اور کریمانہ لائحۂ عمل سکھایا ہے جس کے لئے مختلف مقامات پر رہنمائی کی گئی، ان میں سے چند احکامِ الٰہی کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے یہ بات واضح ہو سکے گی کہ دینِ فطرت ''اسلام'' کی روح کس قسم کی تعلیمات سے عبارت ہے۔

سورۂ نمل میں ارشادِ خداوندی ہے،

''(اے نبیؐ) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت (عملی) اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے۔'' (۱۲۵) گویا اندھا دھند تبلیغ سے منع کیا گیا بلکہ دانائی اور حکمت عملی سے مخاطب کی ذہنی استعداد، موقع و محل کی مناسبت اور سازگاریٔ حالات کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار پایا۔ دوسری جگہ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی موضوع کو اس طرح واضح فرمایا ''(اور اے محمدؐ) اپنے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وُہ زبان سے بہت ہی بھلی بات کریں۔'' (۵۳) اس حکمِ خداوندی سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ غیر مسلموں سے تند و تیز گفتگو یا تلخ کلامی منع ہے۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں بھی اس آیۂ کریمہ میں میٹھے بول اور عمدہ زبان کے استعمال کی تاکید ہے۔ اہل کتاب سے عمدہ طریقے سے بحث مباحثہ کیا کرو، (۴۶) یہاں اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی مخاطبین کیلئے خصوصاً ہدایت کی گئی چونکہ یہ لوگ توحید کو تو مانتے ہیں اس لئے شائستہ انداز اور دلائل کے ساتھ بات سمجھانا ضروری ہے کہ ان اقوام پر نازل ہونے والی کتب میں اور انبیاءؑ کی تعلیمات میں توحید کا عنصر تو پہلے سے موجود ہے اور نبی آخر الزمانؐ کے معبوث کیے جانے کی بشارتیں بھی ہیں، رسولوںؑ کے دُنیا سے اٹھ جانے کے بعد وُہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور الہامی کتب میں بھی تحریفیں کرلیں لہٰذا انہیں شائستگی اور دلجمعی سے قائل کیا جا سکتا ہے جبکہ سخت کلامی اور تند و تیز مباحثے سے نفرت پیدا ہونے کا شائبہ ہے جس سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، نیز سورۃ الاعراف (۱۹۹) میں ارشادِ خداوندی کے یہ الفاظ لائق توجہ ہیں۔

''(اے نبیؐ) نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، معروف کی تلقین کیجئے اور جاہلوں سے احتراز کیجئے۔'' گویا دعوتِ دین اور صراطِ مستقیم کی طرف بلانے کیلئے نرم گوئی، تحمل اور بلند حوصلگی مطلوب ہے۔ انتہائی شفقت اور مرّوت سے نیک کاموں کی تلقین کرنے کا حکم ہے نیز یہ کہ جو لوگ کج بحثی یا کم فہمی کا مظاہرہ کریں، دانستہ یا نادانستہ بات کو سمجھنے میں تامّل کریں یا جاہلوں کی طرح الجھنے لگیں تو ان سے اجتناب کرنا چاہئے (اور ان کی ہدایت کیلئے دُعا کرنی چاہئے)۔ معاشرتی زندگی میں مسلمان کو ہمہ وقت داعی بن کر رہنا ہے۔ اس لئے کہ رسالت مآبؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور اب انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ امتِ مسلمہ کے ذمہ ہے لیکن مذکورہ بالا اصولوں پر کاربند رہ کر حسنِ اخلاق سے یہ فرض نبھانا ہے۔ اسلام نے ہر معاملے میں تحمل، بردباری اور رواداری کی تعلیم دی ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالیں، جن لوگوں نے حضور سرورِ کائناتؐ کے پیغامِ حق کو قبول کیا، ان پر ظلم و ستم کے نئے انداز ایجاد کیے گئے جو پہلے کبھی بڑے بڑے مجرموں کے لیے بھی استعمال نہ ہوئے تھے۔ خود سرورِ کائنات فخرِ موجوداتؐ کو کیسی کیسی اذیتیں دی گئیں، جلاوطن کرنے، مقاطعہ کرنے اور یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) قتل کرنے تک کے منصوبے بنائے گئے لیکن حضورؐ نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور اپنے پروانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ غیر مسلموں کے کسی ایسے حملے کو صبر و بزدلی سے برداشت کرنے کی اسلام نے تعلیم نہیں دی، جو اسلام کو مٹانے، اسلامی اقدار میں رکاوٹ پیدا کرنے اور مسلمانوں پر اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام (معاشرت و معیشت) نافذ کرنے کی غرض سے کیا جائے۔ ایسی صورت میں جہاد لازم ہے تاہم ایسی صورت میں بھی ضعیفوں، معصوم بچوں، خواتین یہاں تک کہ چراگاہوں اور مویشیوں کے بے جا نقصان کے معاملے میں سخت احتیاط کی ضرورت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی طرح ذمیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی بھی حفاظت کی تاکید کی جاتی ہے۔ بنیادی حقوق اور عدالتی امور میں اہلِ اسلام اور غیر مسلم ذمی برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلام میں عدل و انصاف کے معاملہ میں کوئی تعصب نہیں پایا جاتا بلکہ کمزوروں

کیلئے طمانیت کا یہ عنصر موجود ہے کہ انہیں بھی اسی طرح انصاف ملتا ہے جس طرح صاحبِ ثروت اور بااثر شہریوں کو ملتا ہے۔ قبیلہ بنومخزوم کی فاطمہ نامی خاتون پر چوری کے جرم میں حد جاری ہونے اور حضرت اسامہؓ جیسے محبوب صحابی کی سفارش پر حضور اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی کہ ''تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ کمزور کو سزا دینے میں عار نہ سمجھتے تھے اور بااثر لوگوں کو معاف کر دیتے تھے'' اس امر پر شاہد ہے کہ اسلام نے کبھی کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ثروتمندوں کی طرفداری نہ کی، ایسے مساویانہ سلوک کے علمبردار دین پر نکتہ چینی کرنا محض تعصب ہے۔ اسلام میں اخلاق کی بلندی، اصولِ مساوات کی برتری، اور تکریمِ انسانیت کی بیشمار مثالیں ہیں جن کے ذریعے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام انسانیت کی کامل فلاح کا داعی و علمبردار ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک عامل کو حکم بھیجا کہ تمہارے زیرِ نگیں علاقہ میں جو ذمّی ہیں، ان کے حالات پوری طرح معلوم کرو۔ جو بوڑھے ہو چکے ہیں اور کمانے کے قابل نہیں ان کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ مقرر کرو۔ میں یہ مشورہ اس واقعہ کی روشنی میں دے رہا ہوں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا تو آپؓ نے لجاجت سے اس کے سامنے فرمایا کہ تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے جوانی میں تجھ سے جزیہ وصول کیا اور بڑھاپے میں تجھے یاد نہ رکھا، اس کے ساتھ ہی آپ نے فوری طور پر اس کا وظیفہ مقرر کیا، خود حضور پُرنورؐ نے نجران، ایلہ، اذرعات، ہجر اور دیگر علاقوں کے قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے فرمائے، ان سب کو ان کی زمینوں، جائیدادوں اور تجارتی اسباب پر بدستور قابض رہنے دیا، ان کے ذاتی آمدنی کے معاملات میں کوئی دخل نہ دیا گیا، صرف ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا جاتا تھا اور اس میں بھی چھوٹ کے بہت سے جائز طریقے رائج تھے مثلاً کسی کا ضعیف العمر ہونا، فصل کا نقصان ہو جانا، کثیر الاولاد ہونے کے سبب تنگدست ہونا وغیرہ، اور بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حالات معلوم کرنا ریاستی اہلکاروں (عمّال) کے ذمہ تھا، نہ کہ متاثرین کو اپنے لیے مراعات حاصل کرنے کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے، بعد میں خلفائے راشدینؓ بھی انہی اصولوں پر کاربند رہے۔

ہجرت نبویؐ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پورے شکوہ کے ساتھ پھلنے پھولنے لگا تو رسالت مآبؐ نے ضروری سمجھا کہ مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل کے ساتھ یکجہتی اور آشتی کی فضا قائم کی جائے چنانچہ اس کے نتیجے میں ''میثاقِ مدینہ'' عمل میں آیا، اس معاہدے کی شرائط میں ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ یہود کو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہوگی اور ان کے مذہبی معاملات میں کوئی تعرض نہ کیا جائے، صلح وسلامتی کے اس تاریخی معاہدے میں دیگر تمام شرائط بھی امن پسندانہ معاہدے کے تحت ایک پُرسکون معاشرے کے قیام کی ضمانت دیتی تھیں۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے انسانیت کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک ملت اسلامیہ اور دوسری ملت کفر، ملت اسلامیہ میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے دل و جان سے توحید و رسالت کو قبول کیا اور پھر احکامِ خداوندی اور اطاعت رسولؐ میں کسی قسم کی چون و چرا کے بغیر مخلص اور ثابت قدم رہے، کفر کی جماعت میں ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول ہی نہ کیا نیز وہ بھی جو زبان سے مسلمان کہلانے لگے اور ظاہری طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے لیکن ان کے قلب و ذہن میں اسلام کی صداقت جاگزیں نہ ہوئی، بدقسمتی سے یہ لوگ اسلام کے خطرناک دشمن ٹھہرے، اسلام محض کلمۂ طیبہ پڑھ لینے سے مکمل نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے اللہ کے وضع کردہ نظام سے بغاوت کی، خواہ وہ بظاہر خود کو مسلمان کہلاتے پھرے، وہ ملتِ اسلامیہ کیلئے بدترین خطرہ ہیں، مثلاً ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ کی گوشمالی کیلئے معرکہ آرائی کو روا رکھا، اور

حضرت امام حسینؓ نے نہ صرف یزید کی بیعت سے انکار کیا کہ وہ فاسق و فاجر ہے اور بزعمِ خود مسلمانوں کا خلیفہ بنا بیٹھا ہے بلکہ اس کے خلاف معرکہ آرائی میں اپنی اور اپنے اہل خانہ کی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور تاریخ انسانی کا ایک لافانی باب رقم کیا۔ خود کو مسلمان کہلانے والے اور امیر المومنین کے منصب کا اہل سمجھنے والے، ہوسِ اقتدار کے نشے میں سرشار اس قدر ناشناس کو اسلامی اقدار کا ذرا بھی پاس نہ تھا لہٰذا اس سے جہاد کرنا فرض ہو گیا تھا، بصورت دیگر وہ مسلم اُمّہ کیلئے بہت بڑے نقصان کا سبب ہوتا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

اسلام کا پیروکار ہر نیک سیرت مسلمان کو اپنے حقیقی بھائی کا درجہ دیتا ہے چاہے وہ غلام زادہ ہو، مفلس و بے سہارا ہو جبکہ دوسری طرف ہر بدکردار اور بدکار کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے چاہے وہ بزعمِ خود اسلام کا نام لیوا ہو اور مشرق و مغرب کی سلطنتیں اس کے زیر نگیں ہوں۔

فتح مکہ اسلامی تاریخ کا زرّیں باب ہے جب حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف فرما کر رحمۃ اللعالمین ہونے کا ثبوت دیا اور ان کی کمزوریوں اور مفتوحانہ بے چارگیوں سے فائدہ اٹھا کر قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کو قطعاً روا نہ رکھا، رحمتِ عالمؐ کے کرم کی ایک ہی لہر مکہ والوں کی تمام کار، وائیوں اور ستم کاریوں کو بہا کر لے گئی، آپؐ کے فقید المثال حسنِ سلوک سے قریشِ مکہ اور ان کے حمایتی قبائل جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور قلیل عرصہ میں دینِ اسلام عرب کے وسیع علاقہ کا واحد مذہب بن کر اُبھرا۔

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ، خداوندِ عجم ہو جا!

فرمانِ قائد

اقتصادی زندگی کا تحفظ

مجلسی اور اقتصادی زندگی بھی کسی قوم کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کے بغیر اقتصادی زندگی کا تحفظ ہی ممکن ہے۔

(7 اپریل 1946ء صوبائی و مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکان سے خطاب)

بادشاہی مسجد

شیخ نوید اسلم

اسلامی ضابطہء حیات اس اعتبار سے نوح انسانی میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے کہ اُس نے روزمرہ کی زندگی گزارنے کے اعلیٰ و ارفع اُصولوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ایک خاص طرز فکر بھی دیا جس کی چھاپ زندگی کے تمام شعبوں پر نمایاں نظر آتی ہے طب، سائنس، تعلیم، فلسفہ، صنعت و حرفت، تجارت غرض ہر شعبہ ہائے حیات میں اسلامی اُصول وضوابط کارفرما نظر آتے ہیں۔ اسلامی فنِ تعمیر کا شمار بھی ایسے شعبوں میں ہوتا ہے جس نے تعمیرات کو ایک نئی جہت اور نیا تشخص عطا کیا۔

مسلمانوں کی مساجد دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں یہ دوسری عمارتوں سے ممتاز اور الگ تھلگ دکھائی دیتی ہیں ان کا انداز تعمیر سب سے نمایاں اور جدا نظر آتا ہے۔ اسلام کی اولین درسگاہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اب تک اِن عبادت گاہوں کا ایک اپنا رنگ ڈھنگ ہے۔ ان میں داخل ہوتے ہی انسان کو جو قلبی سکون اور طمانیت ملتی ہے وہ صرف اسلامی فنِ تعمیر کا حصّہ ہے، مساجد لاہور کی ہوں یا برصغیر کے کسی دور دراز مقام کی، خوبصورت گنبد اور محراب ان کا بنیادی وصف ہیں لیکن ان کی کشادگی، وسیع وعریض صحن، اُونچی چھتیں، آسمان کی بُلندی کو چُھوتے ہوئے مینار، خوبصورت ہوادار جالیاں، گنبد کی اندرونی آرائش وزیبائش اور دیدہ زیب فرشی ٹائلیں بھی ان مساجد کو ہر شخص کی توجہ کا مرکز بناتی ہیں۔ دیگر عبادت گاہیں ممکن ہے نقش نگاری اور میناکاری کے اعتبار سے خوبصورت ہوں لیکن ان کے تنگ کمرے اور پیچیدہ راہداریاں گھٹن کا احساس دلاتی ہیں جبکہ مساجد میں کشادگی کا احساس ایک عجیب روحانی کیف اور قلبی سکون سے ہمکنار کرتا ہے۔ مُغلوں نے پنجاب میں جتنی مساجد تعمیر کیں اُن میں اسلامی فنِ تعمیر کو پیشِ نظر رکھا۔

بادشاہی مسجد لاہور، مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے 1673ء میں بنوائی تھی۔ اورنگزیب عالمگیر ایک دیندار اور علم پرور بادشاہ تھا اُس نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ برصغیر پاک وہند کا یہ عظیم بادشاہ اپنی گزر اوقات کیلئے قرآن پاک کی کتابت کرتا اور ٹوپیاں سیا کرتا تھا۔ اورنگزیب عالمگیر کی تعمیر کردہ اس مسجد کا شمار دُنیا کی سب سے بڑی تاریخی مساجد میں کیا جاتا ہے اور یہ ''اولیاء مسجد'' کے نمونے پر تیار کی گئی جو شہر مکہ میں واقع ہے پوری مسجد سُرخ وسفید پتھروں سے تیار کی گئی ہے اور اسے دیکھ کر مُنہ سے بے اختیار اُس کے بنانے والوں کی تعریف نکلتی ہے۔ یہ مسجد ایک بہت بڑے چبوترے پر بنائی گئی ہے جو تمام کا تمام سُرخ پتھر کا بنا ہوا ہے اور زمین سے کافی بُلندی پر واقع ہے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر چار اُونچے اُونچے مینار ہیں اور ہر مینار کی چار منزلیں ہیں۔ اُوپر کی آخری منزل تک پہنچنے کیلئے مینار کے اندر چکر والی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن کے ذریعے اُوپر چڑھ کر لوگ آس پاس کے مناظر دیکھ کر لُطف اُٹھاتے ہیں چاروں میناروں سے شہر لاہور کے چاروں حصوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ مسجد کے ایک طرف دریائے راوی بہتا ہے جو مینار کی اُونچائی سے ایک چمکدار اور سانپ کی طرح بَل کھاتی ہوئی لکیر کی

مانند نظر آتا ہے دوسری طرف شہر کی چھوٹی بڑی عمارتیں یوں دکھائی دیتی ہیں جیسے دور تک مٹی کے گھروندے بکھرے ہوئے ہیں۔ دروازے کی طرف لاہور کا شاہی قلعہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے سیاحوں کا منتظر رہتا ہے۔ ان میناروں کے متعلق ایک خاص بات یہ مشہور ہے کہ ان میں سے چاہے کسی مینار پر کھڑے ہوکر جہانگیر کے مقبرے کے میناروں کو دیکھا جائے، ہر صورت میں صرف تین نظر آتے ہیں اور چوتھا آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے کہیں اگر جہانگیر کے مقبرے سے شاہی مسجد کے مینار دیکھے جائیں تو چاروں نظر آتے ہیں۔ صرف اسی ایک بات سے اُس زمانے کے ماہر انجینئروں کی فنی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مسجد کے باہر کے حصے میں گیارہ محرابیں اور سنگ مرمر کے بنے ہوئے آٹھ منارے ہیں اُن کے علاوہ تین بڑے گنبد بھی ہیں جو سنگ سُرخ اور سنگ مرمر سے تیار کیے گئے ہیں۔ مسجد کا اندرونی فرش سفید سنگ مرمر کا ہے جس میں سیاہ دھاریاں ہیں۔ ان سیاہ دھاریوں سے نماز پڑھتے وقت سیدھی صفیں بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اندرونی دیواروں اور محرابوں پر بھی خوبصورت نقش ونگار بنائے گئے ہیں جس سے اُس زمانے کے کاری گروں کی اپنے فن میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسجد کے دروازے کے ٹھیک سامنے ''حضوری باغ'' ہے جس کے اندر سکھوں نے بارہ دری کے نام سے ایک عمارت بنوائی۔ یہ بھی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے دروازے کے ساتھ ہی پاکستان کے تصور کے خالق علامہ اقبالؔ کا مزار ہے جو اگر چہ بہت چھوٹا سا ہے لیکن اپنی عظمت اور خوبصورتی میں کسی سے کم نہیں۔

اس عظیم الشان مسجد کو دیکھنے کیلئے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں سیاح دور ونزدیک کا سفر طے کر کے یہاں آتے ہیں۔ خصوصاً اسلامی ممالک کے وزرائے اعظم صدر صاحبان اور دیگر معزز وفود کے دورۂ لاہور کے موقع پر شاہی مسجد کی زیارت، دورے کا اہم اور لازمی حصہ شمار کی جاتی ہے۔ اَب تک بیشتر اسلامی ممالک کے رہنما اور لیڈر جن میں سعودی عرب، لیبیا، اُردن، ایران، مصر، شام، کویت، متحدہ عرب امارات، سوڈان، انڈونیشیا، ترکی، ملائیشیا، بنگلہ دیش کے رہنما اور وفود شامل ہیں، اس عالمی مسجد کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

صفائی کیوں ضروری ہے؟

فائزہ بتول

گندگی بذاتِ خود ایک بہت بڑی بیماری ہے اور کئی دیگر بیماریوں کی وجہ بنتی ہے۔ زیادہ تر لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے جس کے نتیجے میں ان کے بچے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ خاص طور پر موسم سرما میں صفائی و ستھرائی کا خاص خیال رکھنا چاہئے کیوں کہ مختلف جراثیم کی نشوونما بیکٹریا اور وائرس کی شکل اختیار کر کے کھانے پینے کی چیزوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے پیٹ کی بیماریاں مثلاً ہیضہ اور اسہال کی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اور اکثر بچے ناقص صفائی کی وجہ سے ان بیماریوں کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ موسم برسات میں خصوصی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملیریا کا مرض اس موسم میں عام بیماری ہے جو مچھر کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مچھر دانی کا استعمال ضرور کریں تا کہ ملیریا سے محفوظ رہ سکیں۔ ملیریا کی شکایت ہو جانے کی صورت میں اس کا علاج جلد از جلد کروائیں تا کہ مریض کی جان بچائی جا سکے۔ اپنے گھروں کے آس پاس بھی صفائی کا خیال رکھیں اور پانی کھڑا نہ ہونے دیں کیوں کہ کھڑے پانی میں مچھر کی افزائش جلدی ہوتی ہے۔

ہمارے مذہب میں بھی صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور حفظانِ صحت کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک صفائی ہے۔ ماحول صاف ستھرا ہو تو انسان کی طبیعت بھی خوش رہتی ہے۔ اپنے ہاتھ، پاؤں اور ناخنوں کو صاف ستھرا رکھیں۔ ان کے ذریعے بہت سی خطرناک بیماریوں کے جراثیم ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں اور خارش کے علاوہ الرجی کے امراض پیدا کرتے ہیں۔ تھوڑا کھائیں مگر صاف ستھری چیزیں کھائیں۔ پیٹ کے امراض بعض اوقات سنگین صورتِ حال اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان تمام مسائل سے بچنے کے لئے حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے صفائی کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں۔

دھان کے پتوں کا جراثیمی جھلساؤ سے تحفظ

زرعی فیچر روس

یہ بیماری ایک جرثومے کی وجہ سے پھیلتی ہے۔ ہمارے حالات میں یہ فصل پر گوبھ کے وقت نمودار ہوتی ہے اور پتے کی نوک اور کناروں سے شروع ہوکر لمبائی اور چوڑائی میں بڑھتی ہے۔ پتوں پر بیماری کی علامات سفید نمدار دھاری کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں بعد میں پتے کا بیمار حصہ سوکھ کر سفید ہو جاتا ہے اور پتہ اوپر کی طرف لپٹ جاتا ہے۔ بیماری ایک نمدار دھاری کی شکل میں پتے کی نوک یا کناروں سے پتے کے تندرست حصوں میں نیچے تک چلی جاتی ہے۔ شروع میں اس کا حملہ ٹکڑیوں کی شکل میں ہوتا ہے جو بعد میں مناسب موسمی حالات میں بڑھ جاتا ہے اور پوری فصل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ دُور سے فصل جھلسی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بیمار پودوں پر دانے بہت کم بننے سے پیداوار متاثر ہوتی ہے۔

طبعی انسداد:

دھان کے پتوں کے جراثیمی جھلساؤ کو ان ہدایات کی روشنی میں روکا جا سکتا ہے۔ غیر منظور شدہ اور ممنوعہ اقسام ہرگز کاشت نہ کریں۔ باسمتی اقسام کی اکثریت قوت مدافعت نہیں رکھتی تاہم باسمتی 385 اور کرنل باسمتی دونوں اقسام قدرے کم متاثر ہوتی ہیں لہٰذا مذکورہ دونوں اقسام کی دھان کی کاشت کے ان علاقوں میں کاشت کرنا بہتر ہے جہاں اس بیماری کی شدت زیادہ ریکارڈ کی گئی ہو۔ پنیری کی قبل از وقت منتقلی کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ صرف 30-35 دن کی پنیری استعمال کریں تا کہ قد لمبا ہونے کی وجہ سے پنیری اوپر سے کاٹنے کے باعث زخمی نہ ہو۔ نیز پنیری اکھاڑنے سے ایک دن پہلے پانی ضرور لگائیں تا کہ جڑیں نہ ٹوٹیں۔ بیماری والے کھیت کا پانی دوسرے کھیت میں نہ جانے دیں تا کہ بیماری دوسرے کھیتوں میں نہ منتقل ہو سکے۔ دھان کے کھیتوں میں پانی کی سطح 3 تا 5 انچ سے زیادہ نہ ہونے دی جائے۔ بیماری کے جرثومہ کے دوران زندگی کے تسلسل کو توڑنے اور اس کے مزید پھیلاؤ کو روکنے کیلئے دھان کی جڑی بوٹیوں کو بروقت کنٹرول کریں۔ دھان کے کیڑوں بالخصوص پتہ لپیٹ سنڈی کا بروقت موثر تدارک کریں۔ ابتدائی مرحلہ پر ہی بیماری کی پہچان کر کے بیمار پودوں اور آس پاس والے چند صحت مند پودوں کو اکھاڑ کر تلف کر دیں۔ کاپر آکسی کلورائیڈ بحساب 3 گرام فی لیٹر پانی میں ملا کر فصل پر سپرے کریں یا 1:1:120 بورڈ و مکسچر کا سپرے کریں۔ پوٹاش کا استعمال بیماری کے خلاف قوت مدافعت بڑھاتا ہے۔ نائٹروجنی کھاد کو تین برابر اقساط زمین کی تیاری، پنیری کی منتقلی کے 25 اور 50 دن بعد ڈالیں۔

عورت

طلعت نورین سحر

مُنّی نے اپنے گھر کے کواڑ کھول کر باہر جھانکا دُور دُور تک گلی سنسان پڑی تھی وُہ باہر نکل آئی۔ جھیمی کے گھر کے ساتھ جو مکان بن رہا تھا مُنی اس کو ہر روز دیکھتی تھی۔ پھر وہ جھیمی کے گھر کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ دیوار سے اس نے جھانک کر دیکھا اور پھر زور سے بولی ''چاچا کتنے پیسوں میں بنتی ہے پکی چھت۔ اماں کہتی ہے پکی چھت بنوائیں گے ہم۔۔! چاچا کتنے پیسے لگیں گے مُنی اُچک کر بولی کچھ دیر چپکی رہی پھر تھوڑا سا منمنائی چاچا جب مینہ برستا ہے نا تو چھت ٹپکنے لگتی ہے ہماری۔۔ بتانا۔۔ چاچا۔۔۔ بہت پیسے لگیں گے۔۔'' ہاں مُنی۔۔ مستری نے جواب دے ہی دیا۔۔ پیسے تو بہت لگتے ہیں پکی چھت پر۔۔!'' مُنی کچھ دیر اُسے کام کرتے دیکھتی رہی پھر واپس پلٹ آئی۔ مُنی گھر میں ٹکتی ہی نہیں تھی۔ کبھی جھیمی کے ساتھ کھیلتی، کبھی تالاب میں تیرتی بطخوں کو دیکھتی رہتی کبھی جیرے کی دکان پر خوبصورت مرتبانوں میں رنگ برنگی چیزوں کو ٹکٹکی باندھے تکتی رہتی پھر کم مائیگی کا احساس اُسے واپس پلٹنے پر مجبور کر دیتا۔ رحیمو چاچا کو دیکھتے ہی مُنی کی ہنسی چھوٹ جاتی ''رحیمو چاچا'' ۔ وُہ اُسے تھیلا اٹھاتے ہانپتا ہوا گزرتے جب دیکھتی تو دُور سے چیختی'' رحیمو چاچا'' کیا لا رہے ہو۔ املی تو ہو گی اس میں رحیمو چاچا۔'' وُہ اُس کے تھیلے کو ٹٹولتی رحیمو چاچا اُسے منع کرنے کیلئے اُونچی آواز نکالتا تو منی قہقہہ لگاتی وہاں سے بھاگتی۔

مُنی سارا دن گھومتی پھرتی پھر اپنے کمرے میں گڑیا سے باتیں کرتی۔ لیکن آج مُنی بہت جلدی گھر آ گئی تھی اماں دالان میں سلائی مشین پر کام کر رہی تھی۔ مُنی چُپ چاپ اپنی کوٹھری سے کمرے میں آ گئی۔ ''گڑیا رانی۔ وہ طاق میں رکھی ہوئی گڑیا کو دیکھ کر بولی اور پھر گڑیا کو گود میں لئے اُس سے باتیں کرنے لگی۔'' جانو مجھے ابا بہت یاد آتا ہے۔ نہیں گڑیا میں رو تو نہیں رہی۔ اماں کہتی ہے ورکشاپ میں بہت کام ہوتا ہے۔ ساری رات کام ہوتا رہتا ہے اِس لئے ابا بہت دنوں بعد آتا ہے۔ میری اماں کہتی ہے تیرا ابا تو بہت اچھا ہے۔ تیرے لئے ڈھیروں کھلونے لاتا ہے۔ جانو میری گڑیا۔ میں نے اماں سے کہا تھا ابا خود تو نہیں دیتا نا مجھے۔۔! اماں کہتی ہے منی تو سو رہی ہوتی ہے اس وقت۔ ایک دن میں نے اماں سے کہا تھا کتنا اچھا ہو ابا ایک دم سے آ جائے ابھی۔، اماں بولی ہی نہیں پتہ نہیں کیوں۔۔ پھر اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھ ملتے ہوئے بولی ''منی میری آنکھ میں دھواں چلا گیا ہے۔

'' گڑیا آج ابا آئے گا نہ تو جانے نہیں دوں گی ہاں۔۔ اچھا اب میں تمہیں لوری سناتی ہوں۔۔'' پھر مُنی گنگنانے لگی اور گڑیا کے ساتھ سو گئی۔۔

مُنی کو یہ سمجھنے بہت دقت محسوس ہو رہی تھی کہ اماں ابا سے اسَ قدر چیخ چیخ کر کیوں باتیں کر رہی ہے۔۔ پھر وہ حیرت اور مسرّت سے بستر پر اُچھل پڑی ''ابا تو آج گھر میں ہیں۔۔'' ابھی وہ بستر سے اتری ہی نہیں تھی کہ اماں لپک کر اندر آ گئی۔ ''مُنی دھیئے۔۔ اماں روتے ہوئے بولی تھی تیری شادی کا دن ہے آج مُنی۔۔ میں بڑی بے بس ہوں۔۔ بڑی مجبور ہوں مُنی۔۔'' اماں مُنی کو سینے سے لگائے

روتی رہی۔۔

آنگن میں بھڑکیلے رنگ برنگے کپڑے پہنے بہت سی عورتیں پھر رہی تھیں۔۔ باتوں کا بے ہنگم شور تھا کچھ عورتیں اس کے کمرے میں جھانکتی ہوئی اندر آ گئی تھیں۔۔''یہ لے جوڑا شادی کا۔۔اور پہن لے جلدی سے، تیار ہو جا! تیرا باپ اگر جوئے میں ہارا ہے تجھے، تو دیکھ اپنا فرض ٹھیک ٹھاک نبھا رہا ہے۔۔ تجھے ایسے ہی تو نہیں رخصت کر رہا۔۔'' روتی کیوں ہے بڑا امیر کبیر بندہ ہے وہ، عیش کرے گی تو۔۔'' بھول جائے گی یہ کچا گھر۔۔'' تیار ہو جا جلدی سے۔۔ ٹائم کم ہے ہمارے پاس۔۔''

عورتیں چلی گئی تھیں اور مُنی اب کمرے میں اکیلی تھی'' گڑیا۔۔ وُہ روتے ہوئے بولی ابھی تو تیری میں نے شادی کرنی تھی۔۔ تجھے کب سے کہہ رہی تھی۔۔ گڑیا چپ چاپ بے بسی سے دیکھتی رہی۔۔ یہ کیسی شادی ہے نہ کوئی سکھی نہ کوئی گیت۔۔ وہ سسک رہی تھی اور کمرے کی ہر چیز بُت بنی اسے دیکھ رہی تھی وُہ سرخ جوڑا پہنے اپنے کمرے کی دہلیز پر جب آئی تو اس کے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔۔ بدشکل ایک دیو قامت انسان گلے میں ہار ڈالے اس کی جانب بڑھا تھا۔ صبح منہ اندھیرے دیو قامت مُنی کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگاتا مُنی بوکھلا کر ایکدم اُٹھ کر بیٹھ جاتی ۔اُسے اپنا چھوٹے سے صحن والا گھر یاد آ جاتا۔۔اماں اُسے جگاتی۔۔ ''مُنی اُٹھ کے نماز پڑھ لے۔۔ اُٹھ مُنی۔۔ اماں وضو کر کے اُسے پھر آواز دیتی۔۔''نہیں اماں سونے دے۔۔ابھی نہیں۔۔''مُنی اپنی بند آنکھوں سے لاڈ سے بولتی اور کروٹ بدل کر سو جاتی۔۔ لیکن اب اس دیو قامت کی آواز اور لال انگارہ آنکھوں کو دیکھ کر سہم سی جاتی۔ جلدی جلدی اس کیلئے پراٹھے اور انڈے بناتی۔۔

وُہ سارا وقت منہ ہی منہ میں جانے کیا بکتا رہتا اور اسی طرح بکتا جھکتا گھر سے باہر نکل جاتا۔۔''گھر میں ہی رہنا کہیں نہیں جانا۔۔ سنتی ہونا۔۔''! وُہ اپنی گردن دروازے سے نکال کر پلٹ کر بولتا اور مُنی بند دروازے کو دیکھتی رہ جاتی۔۔

بہت سی گالیاں دیتے ہوئے اُس نے مُنی کو گھر کی چوکھٹ سے باہر دھکیلا تو مُنی نیچے گرتے ہوئے اندر ہی اندر خود سے بولی۔۔ ''اماں ایسے ہی کہتی تھی پکی چھت بنوائیں گے۔۔عورت کی تو کوئی چھت ہوتی ہی نہیں نہ کچی نہ پکی۔۔'' روز روز کے ظالمانہ سلوک سے مُنی کے اندر آگ سی دہک اٹھی وہ قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورتی رہی وُہ پراٹھے نگل کر گھر سے چلا گیا تھا۔۔اُس کے جاتے ہی مُنی کو زبان لگ گئی۔۔'' کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔۔ کیوں خدمت کروں اس کی۔ اس کا تن من جل اٹھا، نہیں رہنا مجھے اس ظلم کے دوزخ میں۔۔''اُس نے اپنے کپڑوں کی گٹھری بنائی اور گھر سے باہر نکل آئی۔۔

پہلی ہت مُنی کو دیکھ کر اماں ہکا بکا سی اُس کی طرف لپکی۔۔ مُنی تو۔۔ ہائے مُنی وہ اپنے سوکھے اور لاغر سے وجود سے مُنی کو لگا کر چیخی تیری شکل کو تو میں ترس گئی تھی۔۔ میری سوہنی مُنی۔۔'' اماں نے اس کے چہرے پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی پھر ایکدم اُسے دھکا سا لگا۔۔''مُنی تو کیوں آئی ہے ادھر۔۔ تیرے باپ نے دیکھ لیا نا تجھے بھی مار دے گا اور میری بھی بوٹی بوٹی کر دے گا۔۔ چل یہاں سے۔۔ جلدی چلی جا۔۔''!

''اماں۔۔ بڑی دردمندی سے بولی۔ وہ مجھے ہلکان کر دیتا ہے مار مار کر۔۔ میں مر جاؤں گی اماں۔۔ نہ نکال مجھے۔۔ نہیں جانا مجھے اب اُس گھر میں۔۔!!! مُنی چیختی چلاتی رہی لیکن اماں کے اندر نجانے کیسے بے حسی اتر آئی تیرا ابا ٹوٹے ٹوٹے کر دے گا تجھے۔۔ چل؛ نکل۔۔''!!! اماں نے مُنی کو باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔۔

☆☆☆☆

قاتل کا پتہ

محمد یونس حسرت

شیر شاہ سوری بڑا عقل مند اور بہادر بادشاہ تھا۔ وہ مغلوں کی فوج میں ایک معمولی سپاہی بھرتی ہوا تھا۔ مگر اپنی ہمت اور لیاقت سے یہاں تک ترقی کی کہ بادشاہ ہمایوں کی فوجوں کو شکست دے کر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

شیر شاہ نے ہندوستان پر صرف پانچ سال حکومت کی مگر اس تھوڑی سی مدت میں وہ ایسے ایسے نیک کام کر گیا کہ رہتی دنیا تک اُس کا نام زندہ رہے گا۔ اُس نے رعایا کی سہولت کے لیے بہت سی سڑکیں بنوائیں جن میں کلکتے سے پشاور جانے والی جرنیلی سڑک بہت مشہور ہے۔ سڑک کے دونوں طرف اُس نے سایہ دار درخت لگوائے، کنوئیں، سرائے اور مسافر خانے بنوائے جہاں غریب مسافروں کو کھانا مفت ملتا تھا۔

شیر شاہ بڑا دین دار بادشاہ تھا۔ انصاف کے معاملے میں تو وہ اپنے بیٹے تک کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی گاؤں میں ایک بڑے زمیندار نے ایک غریب کسان کو قتل کر دیا۔ قاتل امیر آدمی تھا۔ سارا گاؤں اُس سے ڈرتا تھا۔ اس لیے یہ معاملہ دب دبایا گیا۔ گاؤں کے نمبر دار تک کو ہمت نہ ہوئی کہ پولیس کو خبر کرتا۔

شیر شاہ کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے دو آدمیوں کو اُس گاؤں کی طرف روانہ کیا اور اُنھیں حکم دیا:

''جس جگہ قتل کا یہ واقعہ ہوا ہے، وہاں جاؤ اور جا کر درخت کاٹنا شروع کر دو۔ جو شخص تمھیں درخت کاٹنے سے روکے، اُسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔''

اُن دونوں آدمیوں نے اُس گاؤں کے قریب پہنچ کر ایک درخت کاٹنا شروع کر دیا۔ اُنھیں درخت کاٹتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ گاؤں کا نمبر دار وہاں آ پہنچا اور اُنھیں درخت کاٹنے سے منع کرنے لگا۔

نمبر دار نے جب اُنھیں درخت کاٹنے سے روکا تو اُنھوں نے اُسے گرفتار کر لیا اور شیر شاہ سوری کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔

شیر شاہ نے نمبر دار سے کہا:

''تمھیں اتنے فاصلے سے درخت کاٹنے کی خبر تو مل گئی مگر ایک آدمی مارا گیا اور اُس کے قتل کا تمھیں علم نہ ہوا۔ تم کیسے نمبر دار ہو؟ اگر تین دن کے اندر اندر قاتل کو سرکار کے حوالے نہیں کرو گے تو تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔''

نمبر دار کو قاتل کا علم تو پہلے ہی تھا، اُس نے اپنی جان جاتے دیکھی تو قاتل کا پتہ بتا دیا۔ شیر شاہ نے اُسے گرفتار کروایا اور پھر پھانسی کی سزا دی۔

ہنسی گھر

مرغوب امیر

ایک شخص ہیلمٹ والی دکان پر گیا اور دکان دار سے ہیلمٹ دکھانے کے لیے کہا۔ ہیلمٹ دیکھ کر قیمت پوچھی ۔ دکان دار نے 1500 روپے بتائی۔ ان صاحب نے کہا: ''مجھے تو کوئی سستا سا ہیلمٹ دکھایئے۔''

دکان دار اس سے کم اور مزید کم کے ہیلمٹ دکھاتا رہا، مگر گاہک اور بھی سستا مانگنے لگا۔ آخر اس نے سبز رنگ کا ہیلمٹ دیا اور کہا: ''یہ صرف 20 روپے کا ہے۔''

گاہک نے فوراً خرید لیا اور پوچھا: ''آپ اتنے سستے ہیلمٹ کیسے تیار کر لیتے ہیں؟''

دکان دار نے جواب دیا: ''ہم چار روپے کا تربوز لیتے ہیں، گودا نکال کر کھا لیتے ہیں، باقی کے دو ہیلمٹ بن جاتے ہیں۔''

☆☆☆☆

کتبے تیار کرنے والے ایک شخص کی دکان اتفاق سے کسی کلینک کے قریب ہی تھی۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب نے مذاق میں کہا: ''تم تو ہمیشہ یہی دعا کرتے ہو گے کہ جلدی سے کوئی شخص مرے اور تمھیں لوح بنانے کا آرڈر ملے۔'' ''مجھے دعا کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔''

کتبے تیار کرنے والے نے جواب دیا: ''مجھے جیسے ہی یہ علم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کے زیرِ علاج ہے، میں اس کا کتبہ بنانا شروع کر دیتا ہوں۔''

☆☆☆☆

جج (ملزم سے) ''اس جرم میں تمھیں سزائے موت سنائی جاتی ہے۔''

ملزم (خوش ہو کر): ''یا اللہ! تیرا شکر ہے، پھانسی سے تو بچ گیا۔''

☆☆☆☆

ایک لڑکا اپنے دوست کو گھر لے گیا اور اسے چائے پلوائی ۔ چائے پینے کے بعد دوست نے کہا: ''چائے تو بڑی مزے دار ہے۔''

لڑکے نے کہا: ''اگر بلی دودھ سے ملائی نہ کھاتی تو چائے اس سے بھی زیادہ مزے دار بنتی۔''

☆☆☆☆

وکیل: ''اچھا تو تمھارا کہنا ہے کہ تم نے چاندی کا کپ دوڑ میں جیتا ہے۔''

چور: ''جی ہاں۔''

وکیل: ''اس دوڑ میں تمھارے ساتھ اور کون تھا؟''

چور: ''دکان دار، چار پولیس والے اور بازار کے کچھ لوگ۔''

☆☆☆☆

ایک شخص پولیس کی ملازمت کا امیدوار تھا۔ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ سے اس کی رشتہ داری بھی تھی، اس لیے اس کے ساتھ انٹرویو میں رعایت کی جا رہی تھی۔ انٹرویو لینے والے نے پوچھا: ''ابراہم لنکن کو کس نے قتل کیا تھا؟''

وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا: ''مجھے اس کا جواب دینے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔''

''ٹھیک آپ جائیں اور کل صبح جواب لے کر آئیں۔''

امیدوار گھر گیا تو اس کی بیوی نے پوچھا: ''کیا رہا؟ ملازمت مل گئی؟''

وہ شخص بولا: ''معلوم تو یہی ہوتا ہے، کیوں کہ انھوں نے مجھے قتل کا ایک کیس دیا ہے اور قاتل کی تلاش پر لگا دیا ہے۔''

☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائداعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/=	$-05
2	قائداعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	95/=	$-04
3	قائداعظم محمد علی جناحؒ خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	95/=	$-04
4	قائداعظم محمد علی جناحؒ (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	425/=	$-17
5	قائداعظم محمد علی جناحؒ (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	350/=	$-17
6	اقوال قائدؒ (مجلد/ پیپر بیک)	انگریزی	50/=	$-03
7	جناح اور ان کا دور (از عزیز بیگ)	انگریزی	250/=	$-10
8	پاکستان۔فرام ماؤنٹینز ٹوسی (از محمد امین۔ڈنکن ویلنس۔گراہم ہینکاک)	انگریزی	650/=	$-20
9	پاکستان۔چینی مصوروں کی نظر میں (ین ینگ اینڈ ٹو ہوا)	انگریزی، عربی، فرانسیسی، چینی	500/=	$-20
10	پاکستان ہینڈی کرافٹس	انگریزی	100/=	$-04
11	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2001ء (چھ جلدیں)	انگریزی	450/=	$-17
12	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2001ء (پیپر بیک) (چھ جلدیں)	انگریزی	400/=	$-15
13	مسلم آرٹ اینڈ ہیریٹج آف پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/=	$-04
14	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/=	$-04
15	وحدت افکار (علاقائی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/=	$-04
16	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/=	$-01
17	پاکستان پکٹوریل (دوماہی)	انگریزی	100/= فی شمارہ 500/= سالانہ	$-100 سالانہ
18	اُلس	بلوچی	25/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ
19	سروش	فارسی	15/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ
20	اباسین	پشتو	25/= فی شمارہ 200/= سالانہ	$-20 سالانہ
21	ماہ نو (ماہنامہ)	اردو	30/= فی شمارہ 300/= سالانہ	$-50 سالانہ
22	پاک جمہوریت (ماہنامہ)	اردو	10/= فی شمارہ 100/= سالانہ	$-15 سالانہ

رابطہ برائے خریداری

منیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی-ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ اسلام آباد۔پاکستان: فون 051-9252182 فیکس: 051-9252176

ہماری دستاویزی فلمیں

نمبر شمار	نام	دورانیہ
1	علامہ اقبال 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ
2	آرکیٹکچر ان پاکستان 35MM/VHS	20منٹ
3	آرٹ اِن پاکستان (انگلش) 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ
4	برتھ آف پاکستان (انگلش) 35MM/VHS (بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ
5	کلچرل ہیریٹیج آف پاکستان (اردو) 35MM/Betacam	20منٹ
6	چلڈرن آف پاکستان 35MM/VHS/U.Matic	20منٹ
7	کری ایٹو ہینڈز (انگلش) 35MM/U.Matic	30منٹ
8	گندھارا آرٹ (انگلش) 35MM/U.Matic	20منٹ
9	گریٹ ماؤنٹین پاسز اِن پاکستان (انگلش) 35MM	20منٹ
10	گرین ٹرٹل ان پاکستان (اردو، انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	10منٹ
11	جرنی تھرو پاکستان (اردو، انگلش) 35MM	20منٹ
12	لیکس اِن پاکستان (اردو) 35MM	30منٹ
13	مونومنٹس آف پاکستان (اردو) 35MM/VHS	20منٹ
14	موہن جوڈرو (انگلش) 35MM	20منٹ
15	مائنارٹیز ان پاکستان (انگلش، اردو) 35MM/UHS/U.Matic	20منٹ
16	میرج کسٹمز 35MM/VHS	20منٹ
17	وائلڈ لائف اِن پاکستان (اردو) 35MM	30منٹ
18	مرزا غالب (اردو) 35MM/VHS	80منٹ
19	پاکستان، پاسٹ اینڈ پریزنٹ (انگلش) 35MM/VHS	30منٹ
20	پاکستان۔اے پورٹریٹ (انگلش) VHS/U.MATIC.35MM	30منٹ
21	کارپٹس (اردو) 35MM	20منٹ
22	پی ایم اے کاکول (اردو) 35MM/U.Matic	30منٹ
23	پاکستان پینوراما (اردو، انگلش، عربی) 35MM/U.Matic	20منٹ
24	ویلی آف سوات (اردو) 35MM	20منٹ
25	پاکستان سٹوری (اردو) VHS/35MM	70منٹ
26	پاکستان لینڈ اینڈ اٹس پیپلز (انگلش) 35MM	30منٹ
27	پاکستان پرامزنگ لینڈ (انگلش) 35MM/U.Matic	50منٹ
28	قائداعظمؒ (اردو) 35MM/VHS	30منٹ
29	سوہنی دھرتی۔پاکستان (انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	30منٹ
30	سینک بیوٹی آف پاکستان (اردو) 35MM	20منٹ
31	انڈس۔دی ریور آف ہسٹری (اردو) 35MM	20منٹ
32	انڈسٹریل گروتھ آف پاکستان 35MM	20منٹ
33	ناردرن ایریاز (انگلش) 35MM	30منٹ
34	جیم اینڈ جیولری (انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	20منٹ

رابطہ برائے خریداری

منیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی۔ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد۔پاکستان: فون 051-9252182 فیکس: 051-9252176

وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں شہباز شریف سے لاہور میں ایک ملاقات کے دوران (2-5-09)

گورنر پنجاب جناب سلمان تاثیر وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی کو لاہور ایئرپورٹ پر الوداع کہتے ہوئے (4-5-09)

وزیراعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی وزیراعلیٰ ہاؤس کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں (1-5-09)

Monthly
Pak Jamhuriat
Lahore

May 2009

Regd. LRL No.82

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری تریپولی میں شہداء کے مزار پہ پھول چڑھاتے ہوئے (4-5-09)

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری لیبیا کے صدر معمر قذافی سے تریپولی میں مصافحہ کرتے ہوئے (1-5-09)